آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے | لو تمھیں طور تسلّی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر

Digitized by Khilafat Library

جلد ۱۳ | بابت ماہ جولائی سنہ ۱۹۱۴ء | مطابق شعبان سنہ ۱۳۳۲ھ | نمبر ۷

چندہ سالانہ
عام ... طلباء سے ...

فہرست مضامین

انجیلی کفّارہ ۲۳۷-۲۴۹
اسلامی عقیدہ اللہ تعالیٰ کے متعلق ۲۵۰/۲۵۸
حضرت احمد علیہ السلام قادیانی ۲۵۸-۲۷۲
سلسلۂ سنوسیہ ۲۷۳-۲۷۴
سپین کے مسلمانوں سے مسیحیوں نے کیا سلوک کیا ۲۷۴/۲۷۵
سلسلۂ تبلیغ ۲۷۶-۲۷۷ + ۲۷۷ لغایت ۲۷۸
رپورٹ ماہوار بابت ماہ جون سنہ ۱۹۱۴ء ۲۷۸-۲۷۹
مسیح موعودؑ کا ذکر ولایت کے اخبارات میں۔ ۲۸۰

قادیان ضلع گورداسپور سے ۲۰ جولائی ۱۹۱۴ء کو صدر انجمن احمدیہ کے اہتمام سے شائع ہوا

منصب خلافت

یعنی وہ تقریر جو حضرت صاحبزادہ اولوالعزم مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب سیدنا مسیح موعود و مہدی معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دوسرے خلیفے مصلح موعود مظہر قدرت ثانی نے ۱۲- اپریل ۱۹۱۴ء مطابق ۱۵- جمادی الاول ۱۳۳۲ھ کو جماعت احمدیہ کے قائم مقاموں کی موجودگی میں فرمائی۔ چھپ کر رسالہ کی شکل میں تیار ہے۔ ۵۶ صفحہ کا رسالہ ہے۔ قیمت صرف ا ر۔ احباب دفتر انجمن ترقی اسلام قادیان سے طلب کریں۔ بلکہ ذی وسعت احباب خرید کر مفت تقسیم کریں؛

شرح اجرت اشتہارات در رسالہ ریویو آف ریلیجنز

میعاد	پورا صفحہ		نصف		چوتھائی صفحہ		ایک سطر	
	انگریزی	اردو	انگریزی	اردو	انگریزی	اردو	انگریزی	اردو
سالانہ	للعہ	للعہ	دعہ	دعہ	دعہ	عہ	سے ر	سے ر
ششماہی	دعہ	دعہ	دعہ	دعہ	عہ	عہ	عہ ۱۲ر	عہ ۱۲ر
سہ ماہی	دعہ	دعہ	عہ	عہ	مہ ر	مہ ر	عہ ر	عہ ر
ایک دفعہ	بے ۸	بے ۸	للعہ ر	للعہ ر	سے ر	سے ر	۸ ر	۸ ر

تمام درخواستیں بنام مینیجر میگزین قادیان ضلع گورداسپور آنی چاہئیں

ڈاکٹر کی ہدایت

ہر ایک قسم کے بخار کیلئے باٹلی والا کا بخار کا عرق اور گولیاں استعمال کرنی چاہیئے۔ قیمت عہ ر باٹلی والا کی مقوی گولیاں۔ ضعف دماغ۔ ضعف اعصاب۔ دق کے ابتدائی عوارض اور بدہضمی کیلئے بہت مفید ہیں قیمت ہر باٹلی والا کا دانتوں کا منجن۔ نہایت مفید قیمت ۴ر باٹلی والا کی مرہم۔ داد پھوڑے پھنسیوں کو ایک دن میں آرام ہو جاتا ہے قیمت ۴ر یہ تمام بڑے بڑے دوائی فروشوں سے یا براہ راست ڈاکٹر ایچ۔ ایل باٹلی والا۔ جے پی دار لی لبوٹیری۔ دادر بمبئی سے مل سکتی ہیں؛

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

انجیلی کفارہ

نمبر ۴

(۲۷) باب ۲۶ - ورس ۲۲ تا ۲۴ - **مضمون**:- تب وے نہایت دلگیر ہوئے اور ہر ایک اُن میں سے اُنکو کہنے لگا اے خداوند کیا مَیں ہوں اُس نے جواب میں کہا جو میرے ساتھ طباق میں ہاتھ ڈالتا ہے وہی مجھے پکڑوا دیگا ابن آدم جس طرح اُسکے حق میں لکھا ہے جاتا ہے لیکن اُس شخص پر افسوس ہے جس سے ابن آدم گرفتار کروایا جاتا اگر وہ شخص پیدا نہ ہوتا اُسکے لیئے بہتر تھا۔

تنقید:- ان آیات سے مختلف باتیں نکلتی ہیں۔

"یہ کہ حضرت مسیح علیہ السلام اس مصیبت کو اپنے حق میں ایک مصیبت اور ایک مقدر سمجھتے تھے اور اُس مقدر پر صابر و شاکر تھے لیکن خوش نہ تھے"۔

"اور اُس شخص (یہودا اسکریوطی) کے واسطے افسوس کرتے تھے کہ جس نے شامت اعمال سے انہیں خواہ مخواہ پکڑوا دیا اُن کا خیال تھا کہ اگر وہ پیدا نہ ہوتا تو اُسکے واسطے اچھا تھا"

ان دونوں خیالات سے غور کرنیوالے بعد از غور نتیجہ نکالیں کہ ان کا اصلی مفہوم کیا ہے یہ کہ یہودنے اُنپر جو کچھ ظلم و ستم کیا ہے وہ ناقابل برداشت تھا اور اُنکا یہ فعل اچھا نہ تھا اور حضرت مسیح علیہ السلام اسکے واسطے خوش اور رضامند نہ تھے اور جس نے اُنہیں پکڑوا دیا تھا وہ بہت ہی بدقسمت تھا اگر یہ کام یہودیوں کا تکمیل کفارہ کے واسطے ضروری تھا اور یہودا اسکریوطی کا فعل بھی اُسی طرح

لابدی تو پھر ان دونوں پر اعتراض ہی کیا کیونکہ یہی مقدر تھا اور حضرت مسیح علیہ السلام اس غرض سے تشریف لائے تھے. فرض کرو اگر یہودا اسکریوطی انہیں نہ پکڑواتا اور یہودی صلیب پر نہ چڑھاتے تو کیا حضرت مسیح علیہ السلام تکمیل کفارہ کے واسطے کبھی خود بھی اپنے تئیں پیش کر سکتے کبھی نہیں کیونکہ وہ شروع ہی سے فرماتے رہے کہ میرا دوسروں کے پاس ذکر نہ کرنا دعائیں فرماتے رہے کہ یہ نامطبوع پیالہ ٹل جائے. یہ بڑا اہم سوال ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام سوائے اسکے کہ خدا کا حکم مانیں اور گردن تسلیم زیر کریں وہ خود بھی مصلوب ہونا چاہتے تھے یا نہیں واقعات اور کلام کہ رہا ہے کہ وہ اس درجہ تک خوش اور راضی نہ تھے صابر اور شاکر ہونا اور بات ہے کون شخص طوعاً و کرہاً رضائے مولا پر راضی نہیں ہوتا اور سر نہیں دیتا دیکھنا یہ ہے کہ استقلال اور تسلیم کس نے کہاں تک اختیار کی دنیا کے اور بڑے بڑے واقعات کے ساتھ اس واقعہ کا بھی مقابلہ کر کے دیکھو کہ حوصلہ اور استقلال میں اوروں کا کیا حال اور کیا کچھ کیفیت رہی کیا حضرت امام حسین علیہ السلام اور حضرت منصور علیہ الرحمۃ اور حکیم سقراط کا استقلال اور بُردباری حضرت مسیح علیہ السلام سے کچھ کم تھی مقابلہ کرنے سے دیکھ لوگے کہ ان دونوں میں بہت کم نسبت پائی جاتی ہے انجیلی محاورات کے مطابق یہ کمزوری ہے اسلامی مسلمات کے مطابق حضرت مسیح علیہ السلام کے حوصلہ اور ہمت استقلال اور بردباری میں سر مو بھی فرق نہیں آیا تھا اُنہوں نے بحیثیت ایک نبی ہونے کے یہود کے ہاتھ سے کڑی سے کڑی مشکلات اُٹھائیں اور اخیر تک قائم اور باحوصلہ رہے اور اُنکی مردانگی اور ہمت میں رضا۔ اور صبر میں کچھ بھی فرق نہ آیا۔

اگر مصلوبیت کی اصلی غرض کفارہ ہی ہوتی تو حضرت مسیح علیہ السلام کو اپنے پکڑانے والے یہودا اسکریوطی پر اسقدر افسوس اور شکایت نہ ہوتی کیونکہ اُس نے وہی عمل کیا جو وہ خود دل سے کرنے کے حامی تھے اور اُن کی زندگی اور بعثت کا موجب ہی یہ تھا بلکہ جب کھانا کھاتے اُس سے ذکر کیا تھا کہ تُو مجھے پکڑوادیگا اُس سے کہدیتے کہ تم کیوں اس فکر میں ہو میں خود تیار ہوں دیکھو جو شخص بدقسمتی سے خودکشی کرتا ہے وہ کبھی تلوار یا چھری بنانیوالے پر افسوس نہیں کرتا اور نہ لوہار اور کاریگر کو کوستا ہے کیونکہ اگر چھری اور تلوار نہ ہوتی تو وہ خودکشی کس طرح کر سکتا۔ حضرت مسیحؑ کی باتوں اور گڑگڑانے سے تو یہ کفارہ جبری ثابت ہوتا ہے وہ راضی نہ تھے۔

(۲۸) باب ۲۶- ورس ۳۷ تا ۴۵- **مضمون**:- تب اُس نے پطرس اور زبدی کے دو بیٹے ساتھ لیئے اور غمگین اور نہایت دلگیر ہونے لگا تب اُس نے اُن سے کہا کہ میرا دل نہایت غمگین ہے بلکہ میری موت کی سی حالت ہے تم یہاں ٹھہرو اور میرے ساتھ جاگتے رہو اور کچھ آگے بڑھکے مُنہ کے بل گرا اور دعا مانگتے ہوئے کہا کہ اے میرے باپ اگر ہو سکے تو یہ پیالہ مجھ سے گذر جائے تو بھی میری خواہش نہیں بلکہ تیری خواہش کے مطابق ہو تب شاگردوں کے پاس آیا اور اُنہیں سوتے پاکر پطرس سے کہا کیا تم میرے ساتھ ایک گھنٹہ نہیں جاگ سکے جاگو اور دعا مانگو تاکہ امتحان میں نہ پڑو روح تو مستعد پر جسم سُست ہے پھر اُس نے دوبارہ جاکر دعا مانگی اور کہا کہ اے میرے باپ اگر پینے کے بغیر یہ پیالہ مجھ سے نہیں گذر سکتا تو تیری مرضی ہو- اُس نے آکے پھر اُنہیں سوتے پایا کیونکہ اُنکی آنکھیں نیند سے بھاری تھیں- اور اُنہیں چھوڑ کر پھر گیا اور وہی بات کہکر تیسری بار دعا مانگی تب اپنے شاگردوں کے پاس آکر اُن سے کہا اب سوتے رہو اور آرام کرو دیکھو وہ گھڑی آپہنچی کہ ابن آدم گنہگاروں کے ہاتھ حوالہ کیا جاتا ہے-

تنقید:- واویلا ہو یہودیوں پہ نفرین ہو یہودیوں پر جنھوں نے محض جہالت سے مسیح علیہ السلام ایسے غریب مزاج نبی کو صلیب پر لٹکانے میں حصہ لیا اُسکی فقیرانہ صوفیانہ اور سیاسی باتوں سے اُسے شریعت اور سیاست کے برخلاف خیال کرکے اُسکی تخریب میں لگ گئے مسیح علیہ السلام صادق نبی اولی العزم مرسل تھا وہ ایک ایسا صادق بندہ خدا تھا جسکی نظیر انسانی جماعتوں میں بہت ہی کم ملتی ہے وہ صاف گو اور روشن دماغ تھا اگر اُسے ابن اللہ کوئی کہ بھی دیتا تھا تو وہ ایک تعظیمی اطلاق تھا دیکھو وہ اپنے تئیں ہمیشہ ابن آدم سے تعبیر کرتا ہے اور اُسے ہی اپنا فخر بھی سمجھتا رہا-

انسانیت اور بشریت ہر حالت میں غالب آتی ہے آخر خدا خدا ہے اور بندہ بندہ- خدا قادر ہے اور بندہ غریب و بیچارہ مصیبت اور تکلیف کے وقت دل و دماغ پر کچھ نہ کچھ اثر ہو ہی جاتا ہے جسمانی تاثیرات اور جسمانی جذبات کی جھلک پڑ ہی جاتی ہے روح اگرچہ صابر اور مضبوط ہوتی ہے پر جسم سُست اور کاہل پڑ جاتا ہے دونوں پر اثر ضرور پڑتا ہے- نبیوں کے مُنہ سے جب ایسے یاس آمیز کلمات نکلتے ہیں اُن کی کمزوری اگرچہ کچھ نہ کچھ اُن سے مترشح ہوتی ہے

مگر نسبتہً اُن کی روح مضبوط اور صابر ہوتی ہے ہم بحیثیت ایک مسلمان ہونیکے یہ ایمان رکھتے ہیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے اُسی طرح پر جان دی جس طرح دوسرے اولی العزم نبیوں اور مرسلوں نے وہ خدا کی رضا پر بالکل صابر اور شاکر تھے اُنہیں نفس کی جدائی بدنی سے کوئی حیرت اور کوئی افسوس نہ تھا وہ ایک وجیہ نبی تھے انجیل میں اُن کی اضطرابی حالت کا جو کچھ نقشہ کھینچا گیا ہے اُس سے ہمیں بدظن نہیں ہونا چاہیئے وہ ایک جداگانہ طرز بیان ہے پھر بھی اُس طرز بیان سے ہم یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ وہ نہ تو کفارہ عصیاں کے واسطے دنیا میں مبعوث ہوئے تھے اور نہ اُنکی بعثت کی یہ غرض تھی اور نہ خدا نے اُنہیں اس واسطے دنیا میں بھیجا تھا اور نہ اُن کی بابت اس موت کی پیشین گوئی کی گئی تھی۔

دو حال سے خالی نہیں یا تو حضرت مسیح علیہ السلام کو اس واقعہ اور اپنی موت کی غرض سے واقفیت تھی اور یا لاعلمی۔ اگر واقفیت تھی تو اُن کا غمگین اور دلگیر ہونا اور تین بار جھک جھک کر عجز و نیاز سے دعائیں مانگنا اور یہ کہنا کہ اگر یہ پیالہ ٹل سکتا ہے تو ٹل جائے اور ناگہانی بلا سے رہائی ہو تو بہتر ورنہ تیری مرضی۔ کوئی معنی نہیں رکھتا اسقدر حوصلہ چھوڑ دینا اور اسقدر غم میں پڑ جانا صرف اسی واسطے تھا کہ اُن کی تکلیف اور گرفت صرف یہودیوں کی شرارت کا اثر تھی نہ کہ کفارہ کی غرض سے۔ تعجب ہے ایک شخص کی بعثت ہی اس غرض سے ہو کہ وہ کفارہ میں جان دے گا اور جب وقت آتا ہے تو وہ آہ و زاری سے اُس سے رہائی چاہتا ہے اور صلیب پانے سے اول ہی اُسکی حالت موت سی ہو جاتی ہے خود ہی نہیں بلکہ شاگردوں کو بھی ایک ہراس اور خوف میں ڈالتا ہے اُنکے ہوش و حواس بھی کھوئے جاتے ہیں کیا یہ لچھن استقلال کے ہیں اور اس میں بُردباری کی روح موجود ہے۔ کیا یہ اُس مقدس بندہ کا فعل ہو سکتا ہے جو اپنی مرضی اور حکم خدا سے صلیب پانے کو آیا تھا کیا اس سے کفارہ کی کوئی سی صورت بھی نکلتی ہے کیا ہم ان آیات اور ان اضطرابوں سے کفارہ پر کچھ بھی استدلال کر سکتے ہیں؟ حضرت مسیح علیہ السلام کا شاگردوں کو یہ فرمانا کہ دعا کرو تاکہ اس امتحان میں نہ پڑو اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ تم بھی میرے ساتھ شامل ہو کر اس مصیبت سے نکلنے کی دعائیں کرو جب حضرت مسیح علیہ السلام خود ہی اس مصیبت سے نکلنے کی کوشش کرتے تھے تو پھر یہ کیسے جانا کہ وہ آئے ہی کفارہ کے واسطے تھے کیسے تسلیم کیا جا سکتا ہے۔

اخیر پر حضرت مسیح علیہ السلام نے شاگردوں سے آکر کہا کہ اب سوتے رہو اور آرام کرو یہ دو معانی رکھتا ہے یا تو یہ کہ تم ایک گھنٹہ تک بھی نہیں جاگ سکتے اب چین سے سوتے رہو وقت آگیا اور یا یہ کہ بار بار دعائیں بھی مانگیں خدا کی مرضی اور خدا کی تقدیر اٹل ہے اب کچھ فائدہ نہیں صبر و شکر کرو جو ہونے والا ہے ہوگا تقدیر سے کوئی چارہ نہیں دونوں صورتوں میں کفارہ کی اہمیت معرض زوال میں پڑ جاتی ہے اسی قسم کی مایوسی تھی کہ کُل شاگرد بھی مارے یاس اور خوف کے اخیر پر بھاگ نکلے اور کسی میں حوصلہ معیت نہ رہا دیکھو۔ انجیل متی باب ۲۶ - درس ۵۶ اگر حضرت مسیح علیہ السلام نے حقیقت کفارہ کا شروع ہی سے یقین کرایا ہوتا تو شاگردوں میں اسقدر کھلبلی کیوں مچتی اور اُن کے حوصلے اس طرح کیوں چھوٹ جاتے شاگردوں نے بھی اُستاد حضرت مسیح علیہ السلام کی بے اطمینانی اور غم و رنج سے سمجھ لیا کہ یہودیوں کا وار خالی نہیں جاتا اب پاس رہنا نہ رہنا برابر ہے۔

گفتم اے سکندر جام جہاں بینت کو
گفت افسوس کہ آں دولت بیدار بخفت

اگرچہ بظاہر شاگردوں کی ایسی پست ہمتی نکتہ چینی کے قابل ہے کیونکہ ہر حالت میں حضرت رسول محمد صلعم کے اصحاب کبار کی طرح انہیں اخیر تک شامل رہنا ضروری تھا لیکن شاید حالات ہی ایسے ہوں مگر ہمارا یہ اعتقاد ہے کہ شاگردوں سے ایسی کم ہمتی ظہور میں نہیں آئی ہوگی اللہ کو بہتر معلوم ہے۔ اس باب کے درس ۵۳ میں حضرت مسیح علیہ السلام فرماتے ہیں:۔ "کیا تو نہیں جانتا میں ابھی اپنے باپ سے مانگ سکتا ہوں اور وہ بارہ تمن سے زیادہ میرے لیئے حاضر کر دیگا پر نوشتوں کی بات کہ یوں ہی ہونا ضروری ہے کیونکر پوری ہوگی" اس درس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ جب تین بار دعائیں مانگنے پر بھی خدا کی مرضی نہ ٹل سکی تو تلوار مارنے والے شاگرد کو فرمایا گیا کہ اب اس جنگ و جدل اور جد و جہد سے کیا نتیجہ ہے خدا کی مرضی یوں ہی ہے۔ ہرچہ مرضی مولا از ہمہ اولے۔

(۲۹) باب ۲۷- درس ۳ و ۴ - **مضمون**:- تب یہودا جس نے اُسے پکڑوایا تھا یہ دیکھکر کہ اُسکے قتل کا حکم ہوا پچھتایا اور وہ تیس روپیہ سردار کاہنوں اور بزرگوں کے پاس پھیر لایا اور کہا

کہ میں نے گناہ کیا کہ بے گناہ کو قتل کے لیئے پکڑوا دیا ہے۔

تنقید:۔ اے نفسانی طمع تیرا ستیاناس ہو اے زرطلبی تیرا منہ کالا ایک اولی العزم نبی اور مرسل کا پرانا شاگرد صرف ۳۰ روپیہ کے لالچ میں اپنے اُستاد کو پکڑواتا ہے بے شک صحبت بہتوں پر اچھا اثر کرنے سے عاری ہوتی ہے اس سے نہ صرف یہی ثابت ہے بلکہ یہ بھی کہ اخیر تک حضرت مسیح علیہ السلام کے شاگردوں کو یہ علم نہ تھا کہ ہمارے اُستاد محترم اس غرض سے صلیب پر چڑھائے جائیں گے کیونکہ پطرس کا یہ کہنا کہ مینے ایک بے گناہ کو خواہ مخواہ پکڑوا دیا ہے شاگردوں کی لاعلمی کا اظہار ہے غور کرنیوالے غور کر سکتے ہیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے ساری زندگی میں شاگردوں کو اس اہم قربانی سے آگاہ تک نہیں کیا تھا اور اخیر تک سب شاگرد اس سے غافل رہے۔ مسیح علیہ السلام کی تمام وعظوں سے اُنپر اخیر تک یہ نکتہ نہ کھلا اگرچہ انکو بادشاہت کا یقین دلایا جاتا رہا مگر اس کا یقین اخیر تک نہ دلایا گیا اگر شاگرد اس معما سے واقف ہوتے تو اخیر پر مسیح علیہ السلام کے پاس سے نہ بھاگ جاتے اور نہ خود مسیح بھی اس کلفت سے بچنے کی کوشش میں رہتے۔

(۳۰) باب ۲۷۔ ورس ۲۹۔ **مضمون:۔** کانٹوں کا تاج بنا کر اُسکے سر پر رکھا اور کہا اے یہودیوں کے بادشاہ سلام۔

تنقید:۔ انجیل متی اور نیز دیگر اناجیل کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف اس واسطے مسیح علیہ السلام کے خلاف یہودی نہیں تھے کہ وہ اپنے تئیں ابن اللہ کہتا تھا یا بعض لوگ اُسکو اس نام سے پکارتے تھے کیونکہ بہ نسبت ابن اللہ کہنے کے اُس نے اور نیز دیگر لوگوں نے ابن آدم زیادہ کہا ہے اور خود حضرت مسیح علیہ السلام نے بھی اپنے مُنہ سے لوگوں کو خدا کے فرزند بننے کا وعدہ دیا تھا زیادہ تر بات یہ تھی کہ یہودیوں کو یہ شبہ ڈالا گیا تھا کہ وہ اُن کا بادشاہ بھی خود کو کہتا ہے در اصل یہ ایک پولیٹکل خطرہ بھی تھا نہ صرف مذہبی لوگ ہی اس شبہ میں تھے بلکہ بادشاہ اور حکمران بھی اسی شک اور خدشہ میں تھے دیکھو۔ سب سے پہلے مجوسیوں نے یروشلم میں آکر یہ منادی کی کہ یہودیوں کا بادشاہ جو پیدا ہوا سو کہاں ہے کہ ہم نے پورب میں اُس کا ستارہ دیکھا اور اُسے سجدہ کرنے کو آئے ہیں جب اُس وقت کی گورنمنٹ اور ہیرڈ بس حاکم

نے یہ سُنا تو وہ اور اُسکے ساتھ تمام یروشلم گھبرایا اور اسی شبہ میں صدہا لڑکے بے گناہ قتل کروا دیئے جب اخیر پر یسوع علیہ السلام حاکم کے سامنے لائے گئے تو اُس وقت بھی اُن سے حاکم نے سوال کیا تو یہودیوں کا بادشاہ ہے اخیر تک صرف مذہبی رنگ میں حضرت ممدوح کی گرفت نہیں ہوئی بلکہ ملکی رنگ میں کیونکہ حضرت مسیح علیہ السلام سے جب کوئی مذہبی سوال ہُوا اُنہوں نے بوجہ صبر اور بُردباری کے کبھی صاف جواب نہیں دیا ہمیشہ ٹالتے رہے اور یا اُلٹا ہی کے جواب سے اُنکو استدلال کراتے رہے جب کبھی کسی نے کہا تو ایسا اور ایسا ہے تو جواب دیا ہاں تو جو کہتا ہے اور اُسکے ساتھ ہی ہمیشہ یہ فرماتے رہے میری بابت یا میرے کمالات کا میری کرامات کا کسی سے ذکر نہ کرنا اور نہ میری بابت کسی کو خبر دینا۔

جس طرح شاگردوں میں کفارہ کا کوئی مذکور نہ تھا اسی طرح پبلک میں بھی اسکی بابت کوئی شہرت نہ تھی اگر حضرت مسیح علیہ السلام کی نسبت یہ پولیٹیکل شبہ نہ پیدا ہوتا تو اُنہیں اس قدر ستایا بھی نہ جاتا اور نہ یہ نوبت آتی ان سب حالات سے ثابت ہے کہ حضرت ممدوح کی مصلوبیت کفارہ کے رنگ میں نہ تھی بلکہ محض ایک ضد اور شبہ کا اثر۔ یہی شبہ تھا کہ صلیب دینے کے بعد شریروں نے سر کے اوپر یہ ٹانک دیا تھا "یسوع یہودیوں کا بادشاہ ہے" اگر کوئی مذہبی نفرت یا عناد ہوتا تو اُس کا اظہار اس سے آسان تر تھا مثلاً یہ کہنا کہ یہ خود کو خدا یا خدا کا بیٹا کہتا ہے۔ فافہم

(۳۱) باب ۲۷ - ورس ۳۹ تا ۴۳ - **مضمون**:- اور جو اِدھر اُدھر سے جاتے سر ہلا کر اُسے ملامت کرتے تھے اور کہتے تھے واہ تو جو ہیکل کا ڈھانے والا اور تین دن میں بنانے والا ہے اپنے کو بچا اگر تو خدا کا بیٹا ہے صلیب پر سے اُتر آ اُس نے اوروں کو بچایا آپ کو نہیں بچا سکتا اگر اسرائیل کا بادشاہ ہے تو اب صلیب پر سے اُتر آوے ہم اُسپر ایمان لاویں گے وہ کہتا تھا کہ میں خدا کا بیٹا ہوں۔

تنقید:- ان آیات میں شریر طعن زن دونوں باتیں کہتے تھے خدا کا بیٹا اور اسرائیل کا بادشاہ اس سے یہ قیاس کرنا کہ معاملہ محض مذہبی تھا درست نہیں بہت کچھ مواد پولیٹیکل رنگ کا بھی تھا خدا کا بیٹا جو کبھی کہا گیا ہے تو وہ محض بطور ایک ٹھٹھہ اور مسخری کے تھا ساتھ ہی اسکے

ہیکل کے ڈھا دینے کا الزام بھی دیا جاتا تھا یہ بھی ایک پولیٹکل خیال ہی تھا اور اسی کے ضمن میں دوسرے الزامات بھی تھے اگر صرف ابن خدا ہی کو الزام قرار دیا جائے تو یہ فیصلہ کرنا مشکل ہوگا کہ جب بمقابلہ ابن خدا کہنے کے بیسیوں دفعہ ابن آدم بھی کہا گیا ہے تو کیوں دوسرا رُخ بھی نہ لیا جائے بات اصل میں یہی تھی کہ لوگوں اور حاکموں کو بادشاہت کے دعویٰ کی بابت خفگی اور رنج تھا ورنہ یہ حالت نہ ہوتی۔

(۳۲) باب ۲۷۔ درس ۴۶۔ **مضمون**:۔ نویں گھنٹے کے قریب یسوع نے بڑے زور سے چلّا کر کہا ایلی ایلی لما سبقتنی اے میرے خدا اے میرے خدا تُو نے کیوں مجھے چھوڑ دیا۔

تنقید:۔ یہ وہ کلمات ہیں جو اخیر دم پر حضرت مسیح علیہ السلام کی زبان مبارک سے نکلے ان کلمات سے ایک بڑے درجہ کی یاس اور ناامیدی کا سماں ظاہر ہوتا ہے ہم مسلمان ہونے کی حیثیت سے یہ اعتقاد نہیں رکھتے کہ اولی العزم نبی کے مُنہ سے اسقدر یاس آمیز کلمات کا اطلاق ہُوا ہو کیونکہ ہمارے قرآن شریف میں اُسکی شان میں وجیہ کا لفظ لایا گیا ہے صرف انجیل کے کلمات سے ایسی یاس اور ایسی نومیدی وحسرت کا اظہار ہو رہا ہے جو شان مرسل کے خلاف ہیں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اور حضرت منصور علیہ الرحمۃ اور سقراط حکیم کے آخری کلمات ان کلمات سے بہت ہی زور آور ہیں اور اُن سے خدا پر انکا بھروسہ اخیر تک ظاہر ہوتا ہے اُن کے کلمات آسمانی تھے اور یہ زمینی ہیں باعتبار بحث کفارہ کے ہم کہتے ہیں اگر حضرت مسیح علیہ السلام کو اپنی زندگی کی غایت کفارہ ہی معلوم تھا تو انکے مُنہ سے ایسے کلمات کیوں نکلے یہ کہنا کہ اے میرے خدا اے میرے خدا تُو نے کیوں مجھے چھوڑ دیا ایک یاس آمیز بے صبری ہے اور ایک حیرت انگیز الزام اور شکایت۔ کیا خدا نبیوں کو چھوڑ سکتا ہے خدا نے کفارہ کی صورت میں اُنہیں چھوڑا تو نہ تھا بلکہ سارے جہان کا منجی بنایا تھا اگر واقعی یہ کلمات اُن کے مُنہ سے نکلے ہیں تو کفارہ کا پیشہ اپنے مرکز سے بالکل نکل گیا ہے جو شخص کفارہ ہونا ہے جب خود وہی اُسکی بابت شک میں ہے اور یاس اُسپر غالب ہے تو اور لوگ کس طرح یقین کر سکتے ہیں اگر یہ کہا جاتا کہ اے خدا تُو نے مجھے قبول کیا تو کچھ بات بھی تھی کیونکہ خدا ہی نے

مسیح علیہ السلام کو کفارہ جیسے ایک بڑے گراں بہا معاوضہ میں قبول کیا تھا عقیدت کے اعتبار سے چاہے کوئی کچھ کہے ان الفاظ یاس خیز نے کفارہ کے طلسم توڑنے میں کوئی کسر باقی نہیں رکھی سارا بھید کھول دیا ہے اور یہ ثابت کر دیا کہ حضرت مسیح علیہ السلام کفارہ کی غرض اہم سے مصلوب نہیں ہوئے بلکہ محض پولیٹکل وجوہ سے یا کسی حد تک مذہبی تعصب سے بھی۔ دیکھو جب کوئی شخص بدقسمت اپنی زندگی کا خاتمہ بھی کر دیتا ہے تو خدا کی شکایت نہیں کرتا بلکہ اپنے فعل کا خود ذمہ وار ہوتا ہے صاف تو یہ ہے کہ انجیلی بیان کے مطابق حضرت مسیح علیہ السلام اخیر پر خدا کے شاکی ہو گئے اور حوصلہ سے کام نہ لیا اس وقت بقول حضرت حافظ علیہ الرحمۃ اُن کی زبان سے یہ شعر نکلنا چاہیئے تھا۔

از دست غیبت تو شکایت نہ مے کنم
نیست غیبتے ندہد لذتے حضور

اور اس میں شک نہیں کہ انجیلی بیانات کے تحت حضرت مسیح علیہ السلام کے واسطے یہ مصیبت اور یہ امتحان بہت ہی تکلیف دہ اور وزنی تھا اسی انجیل کے باب ۲۷ درس ۵۰ میں لکھا ہے کہ یسوع نے پھر بڑے شور سے چلا کر جان دی اگرچہ جان کندنی میں ہر شخص کو تکلیف ہوتی ہے چاہے وہ نبی ہی کیوں نہ ہو کیونکہ یہ قدرتی گرفت بہت کم رعایت کرتی ہے لیکن دوسرے انسانوں اور دوسرے نبیوں اور مرسلوں کا معاملہ انسانیت اور بشریت کا ہے اور انہیں خدا کے حضور میں کوئی دعویٰ ہم سری یا ہم عصری نہیں رہے لیکن یہاں خدائی کا دعویٰ اور ابن اللہ ہونے کا ادعا ہے ضرور تھا کہ استقلال اور حوصلہ میں کوئی فرق اور امتیاز ہوتا تاکہ یہ بھی ایک دلیل ہوتی کہ ابن اللہ نے بایں تاب و تواں جان دی اور اخیر باپ سے مایوسی نہ ہوتی ہم تو کہتے ہیں مسیح علیہ السلام نے نبیوں کی تاب و تواں اور مرسلوں کے استقلال ہی سے جان دی لیکن متی کا تذکرہ ایسا کہتا ہے۔

موسیٰ علیہ السلام نے جب مواب میں جان دی تو باوجود اسکے کہ وہ عمر میں ۱۲۰ سال کا تھا پھر بھی مرنے کے وقت اُس کی تازگی بدستور رہی اور نہ اُسکی آنکھیں ہی دھندلائیں۔ اور نہ اُس نے کوئی گھبراہٹ ظاہر کی رسول عربی صلعم نے مرنے کے وقت پورے حوصلہ اور پوری

استقامت اور صبر و شکر اور وفا سے کام لیا۔

"مرنیکے وقت آپ نے فرمایا اے خدائے پاک مجھے اپنے پاس عالم بالا میں بلالے اُمت کو معاف کر جنت عطا فرمایا اور استغفر اللہ کہکر جان دیدی"

کیا ان کلمات کے مقابلہ میں ابن اللہ کے کلمات بھی ہیں کیا ابن اللہ کو بھی ایسا بھروسہ تھا اور ایسی استقامت انصاف سے کہو کون مرنے کے وقت توکل اور ہمت سے رہا اور کس کے محترم مُنہ سے ناچار شکایت کے کلمات نکل گئے۔

(۳۳) باب ۲۸ - ورس ۱۷ و ۱۸ - **مضمون** :- یسوعؑ انہیں ملا اور کہا سلام انہوں نے پاس آکر اُسکے قدم پکڑے اور اُسے سجدہ کیا۔ بعضے دبدبے میں رہے اور یسوع نے پاس آکر انہیں کہا کہ آسمان اور زمین کا سارا اختیار مجھے دیا گیا۔

تنقید :- حضرت مسیحؑ کی زندگی ثانی سے یہ استدلال کرنا کہ وہ مخلوق کے گناہوں کے واسطے ہی صلیب دیئے گئے تھے درست نہیں کیونکہ اس زندگی ثانی میں بھی حضرت ممدوح کی زبان سے اس عقیدہ کی بابت ایک حرف تک نہیں نکلا حالانکہ اس وقت صاف طور پر یہ عقیدہ سنانا چاہیئے تھا بجائے اُسکے کہا کہ جاؤ میرے نام سے منادی کرو اس کا یہ مطلب نہیں ہو سکتا کہ کفارہ کی منادی کرو یہ کہنا کہ انہیں باپ بیٹے اور روح قدس کے نام اصطباغ دو کفارہ کا مثبت نہیں ہو سکتا تثلیث کا عقیدہ اور شے ہے اور عقیدہ کفارہ اور چیز دونوں میں فرق ہے یہ کہنا کہ اُن سب باتوں پر عمل کریں جن کا انہیں حکم دیا گیا ہے بجائے خود مبطل کفارہ ہے کفارہ ہی تو رکن اعظم اور عنصر اول تھا وہی اخیر تک حذف رہا اس سے صاف ثابت ہے کہ حضرت مسیحؑ نہ تو کفارہ ہوئے اور نہ اُن کی زندگی کا یہ مشن تھا وہ یہود کی ضدیت اور شرارت سے صلیب پلئے اور معاملہ کی صورت بگڑ کر اور کی اور ہو گئی انصاف تو کرو اسقدر اہم مسئلہ اور ساری انجیل متی میں ایک حرف بھی اُسکی بابت نہ کہا جائے جو کچھ کہا گیا ہے ہم نے اُس کا اس بحث میں موقعہ پر ذکر کر دیا ہے غور سے کہو کہ کیا اُن آیات سے کفارہ کا کچھ بھی ثبوت ملتا ہے کہا جاتا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی بعثت ہوئی ہی کفارہ کے واسطے تھی اور تعجب یہ کہ اس انجیل میں اسکی بابت ایک حرف تک بھی صراحۃً کیا کنایۃً بھی نہیں کہا گیا اور جو کہا گیا ہے وہ بجائے خود مخدوش

ہے ان حالات میں دوسرے کس طرح اس مسئلہ کی تائید اور تصدیق کرسکتے ہیں یہ دوسری بات ہے کہ توڑ مروڑ کر اس کی تائید کی جائے ایک اور بڑا سوال یہ ہے کہ جب حضرت مسیح علیہ السلام خود معصوم تھے تو اُنہوں نے یوحنا سے بپتسمہ کیوں پایا۔ بپتسمہ میں تو ہمیشہ اعتراف عصیاں ہو کر توبہ کی جاتی ہے کیا حضرت مسیح علیہ السلام نے ایسا کیا تھا اگر کیا تھا تو وہ گنہگار تھے اور اُن کا کفارہ درست نہ تھا کیونکہ قربانی بے داغ چاہیئے اور اگر ایسا اعتراف نہیں کیا تھا تو بپتسمہ پانا فضول تھا کیونکہ ایک نیک اور سعید روح کس طرح بپتسمہ پاسکتی ہے آخر حضرت مسیح علیہ السلام کو کس ضرورت نے اس پر مجبور کیا اگر اس واسطے کہ لوگوں کو ترغیب ہو تو اسکی کیا ضرورت تھی نبی اور مرسل تو کسی کے دست بیع نہیں ہوتے ابن خدا کیوں دوسروں سے بپتسمہ پاتا ہے وہ تو خدا ہی سے وابستگی رکھتا ہے اور خدا ہی نے اُسے پاک کیا ہوتا ہے۔ ادہر اُسے سب کچھ سونپا گیا تھا ہم نے حتی الامکان ہر ایک مخالف و موافق آیت انجیل متی سے لکھکر مختصرً اسکی تنقید کر دی ہے ہمیں تو اس انجیل میں سے کوئی ایک آدھ آیت بھی کفارہ کی تائید میں نہیں ملی ہے یوں کھینچا تانی سے حضرت مسیح علیہ السلام کے ماتھے تھوپا جائے تو دوسری بات ہے ہمیں حضرت مسیح علیہ السلام کے احترام اور اعزاز سے خدانخواستہ کوئی کاوش نہیں ہم اُنہیں ایک اولی العزم مرسل جانتے ہیں اور اُن کی عزت ایک معنوں میں عیسائیوں سے بھی زیادہ غیرت سے کرتے ہیں لیکن اُنہیں خود اُن ہی کے اقوال کے مطابق ایک نیک انسان سمجھتے ہیں کیونکہ خدا کے مقابلہ میں کوئی انسان ابنیت یا خدائی کا دعویٰ نہیں کر سکتا ہے ہمارا اسلام وہی ہے جو مسیح علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام کا تھا صرف کفارہ پرستی کا فرق ہے اور وہ خود انجیل سے ثابت نہیں ہے جیسے کفارہ ثابت نہیں ایسے ہی ابن اللہ ہونا بھی ثابت نہیں ہم اسی طرح اور اسی سلسلہ میں ابن اللہ کی بابت اسی انجیل متی سے آیت وار بحث اور تنقید کر کے دکھائیں گے عیسائیوں کی سخت غلطی ہے کہ وہ ہمیں حضرت مسیح علیہ السلام کی عزت اور احترام کا دشمن سمجھتے ہیں ہم اُنکی عزت کرتے ہیں اور وہ ہمارے محترم مرسل ہیں لیکن اُنہیں ابن اللہ کہنا خود اُنکی عزت میں فرق لانا ہے اُن کی اصلی عزت عبودیت ہی میں ہے

ما ئیم و آستانۂ عشق و سر نیاز ❊ تا خواب خوش کرا برد اندر کنار دوست

خدا کی ہم سری کون کرسکتا ہے اور خدا کے ہم سر بنانا کس کی طاقت ہے کہ اُس بارگاہ حمدی میں دم بھی مارے کس کا یارا ہے کہ کوئی چوں بھی کرے کس کی ہمت ہے کہ مُنہ سے ایک لفظ بھی نکالے آدمؑ سے لیکر حضرت مسیحؑ اور حضرت محمد صلعم تک سب کے سب اُسکے فضل کے امیدوار اور اُسکی رحمت کے خواہاں ہیں نہ مسیحؑ میں یہ طاقت ہے کہ خود کو خدا یا اُس کا بیٹا ثابت کرسکے اور نہ کسی اور کو مسیح علیہ السلام کے استعاروں اور صوفیانہ ارشادات اور باتوں سے اُسے خدا کا بیٹا کہنا اور اُسکے دوش نبوت پر ساری دنیا کے گناہوں کا لاد دینا سخت غلطی اور بزدلانہ حرکت ہے خود اناجیل ہی سے یہ دعویٰ ثابت نہیں ہوسکتا معقول بحث اور دلائل تو جدا ہے ہم انشاء اللہ انجیل وار اس مسئلہ کی بابت نقلی رنگ میں بحث کریں گے اور دکھادیں گے کہ شیرازہ کفارہ محض بوسیدہ اور شکستہ ہے نہ موسیٰ اور ابراہام اسکی تصدیق کرتے ہیں اور نہ کوئی اور اگر محض ابن اللہ کے کہنے ہی سے یہ شیرازہ بندھ سکتا ہے تو یہ رشتہ ضرور ٹوٹے گا کیونکہ بائیبل میں کس کس کو فرزند خدا نہیں کہا گیا اور کون کون اس خطاب سے مخاطب نہیں ہوا ان راز و نیاز کی باتوں سے خدائی گھر میں چھاپہ مارنا درست نہیں عبودیت ہی ہر انسان کا زیور اور مایۂ ناز ہے کوئی نبی اور کوئی مرسل اس حد سے آگے نہیں گذر سکتا کسی کی مجال نہیں کہ خود کو خدا یا ابن خدا کہے اگر مسیح علیہ السلام نے خود کو ابن خدا کہا بھی ہے تو اُسکے مقابلہ میں سو دفعہ ابن آدم بھی کہا ہے اب فیصلہ کرو کہ ان میں سے فوقیت کس کو ہے اس تعارض کی صورت میں وہی راہ اختیار کرنی اولیٰ ہے جو فطرت کے مطابق ہے سچ کہو ہماری فطرت بھی اس کی شہادت دیتی ہے اور فطرت کی بھی اس سے تسکین ہوسکتی ہے؟ اسلام مسیحؑ کے دین کو مٹانے کے واسطے نہیں آیا کیونکہ مسیحؑ کا مذہب بھی اسلام ہی تھا - لیکن مسیحؑ کی ربوبیت اور کفارہ کا طلسم توڑنے کے واسطے آیا ہے کیونکہ اس میں خود حضرت مسیح علیہ السلام کی شان پر حملہ ہوتا ہے جو اسلام کہتا ہے وہی حضرت مسیح بھی فرماتے ہیں جو مسیح کے مُنہ سے نکلا ہے وہی حضرت محمد صلعم بھی کہتے ہیں دونوں ایک ہی مشن لیکر آئے تھے دونوں کی غرض ایک ہی ہے کاش لوگ انصاف کریں اور انصاف سے کہیں کہ ساری دنیا میں سے محمد صلعم ہی نے مسیح علیہ السلام کی پوزیشن صاف کی ہے یا کسی اور نے - کاش لوگوں کے دلوں میں انصاف ہو

کاش عقل و فراست سے کام لیں ہم مسیح علیہ السلام کی یہ عزت اور یہ احترام کریں اور ہمیں یہ صلہ ملے کہ ایک ادنےٰ سے ادنےٰ عیسائی بھی ہمارے حضور علیہ السلام کی نسبت زبان کھولتے دریغ نہ کرے۔ ہمارے مُنہ میں بھی زبان ہے اور زبان میں طاقت اور طاقت میں زور اور زور میں اثر اور اثر میں جذبہ۔ ہم کیوں نہیں کھولتے کیا ہمیں الفاظ نہیں ملتے نہیں نہیں ہمیں اُسی رسول مقبولؐ نے روکا اور ٹوکا ہے جسکی شان میں پرائے لوگ کچھ کا کچھ لکھنے سے بھی دریغ نہیں کرتے اگر ہمارے سامنے کوئی حضرت مسیح علیہ السلام کی تحقیر اور توہین کرے تو ہم ایسے ہی جل بُھن جائیں گے جیسے اپنے نبی کی بابت اور شان میں کچھ سُننے سے ہمارے حوصلوں اور ہماری بُردباری کی تعریف کرنے کی بجائے ہمیں گالیاں دے دے کر ستایا جاتا ہے یاد رکھو جس مقدس نام سیدالانبیاءؐ کی تم عزت اور احترام کرنا پسند نہیں کرتے خدا اُس کی سب سے زیادہ عزت کرتا ہے اور خود حضرت مسیحؑ بھی اُسکی عزت کرتے ہیں اور وہ دونوں ایک ہی خدائے کریم کے صادق پرستار ہیں اور اُن دونوں میں کوئی اختلاف نہیں۔ حضرت مسیحؑ نے فخر کے ساتھ محمد صلعم کی خبر دی ہے اور خود اُنکی نظروں ہی میں محمد صلعم کی وجاہت سب سلسلہ نبوت سے زیادہ اور افضل ہے۔ یہ ایک راز ہے اسکی عزت کرو اور اسے سمجھو۔ جو اسکے خلاف جاتا ہے خود مسیحؑ اُسکی مخالفت میں ہے اور مسیح ہی اُس کا جواب دیگا۔ ہم سچے دل سے مسیحؑ کی عزت اور احترام کرتے ہیں اور وہ ہمارا ایمان ہے تم نہ کرو تمہاری مخدوش سعادت اسی میں ہے لیکن مسیحؑ کی غیرت اسکی ذمہ وار ہے

فردا کہ پیشگاہ حقیقت شود پدید
شرمندہ رہروے کہ نظر برمجاز کرد

راقم
ایک مسلمان

اسلامی عقیدہ اللہ تعالےٰ کے متعلق

Digitized by Khilafat Library

اللہ تعالیٰ کے متعلق صحیح عقیدہ تمام مذاہب کا اصل الاصول ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ تمام علوم کا سرچشمہ اور نور اور ہدایت کا منبع ہے۔ اس لیئے ہر ایک انسان کا یہ سب سے پہلا فرض ہونا چاہیئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نسبت صحیح اور درست عقیدہ رکھے۔ دنیا کے قریباً تمام الہامی ادیان ڈنکے کی چوٹ سے اس بات کا اعلان کرتے ہیں کہ خدا ایک ہے لیکن جب انکے عقاید کو گہری نظر سے دیکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ بعض مذاہب کی تعلیم میں خطرناک غلطیاں داخل ہوگئی ہیں۔ اور کہ اسوقت بعض نہایت ہی مشہور مذاہب کو بھی توحید سکھانے والے مذاہب کہنا بہت مشکل ہوگیا ہے۔ ایک خدا پر ہمارا ایمان ناقص رہتا ہے جب تک کہ تفصیلی امور میں ہمارے عقائد صحیح نہ ہوں۔ ایک ناقص ایمان۔ ہمارے اخلاق کی بنیاد کو کھوکھلا کر دیتا ہے۔ اس لیئے یہ سخت ضروری ہے کہ خدائے تعالیٰ کے متعلق ہمارا ایمان ناقص نہ ہو۔

خدائے تعالیٰ کی ہستی کے عقیدہ میں یہ امر پایا جاتا ہے کہ اُس میں ہی تمام کامل صفات جمع ہونے چاہیئے جنمیں کوئی دوسرا وجود اُسکے ساتھ شریک نہ ہو۔ خدائے تعالیٰ کی ہستی یقیناً نقص کے منافی ہے۔

کوئی ایسی چیز نہیں ہونی چاہیئے جس سے کسی طرح خدائے تعالیٰ کی قدرت کی حدبندی ہو مثلاً یہ کہنا کہ کائنات کا قادر مطلق خدا فلاں فلاں کام بغیر مادہ کے نہیں کر سکتا تھا در اصل خدائے تعالیٰ کی طرف کمزوری منسوب کرنا ہے۔ اور اُسکو دوسرے انسانوں کے برابر ٹھہرانا ہے۔ خدائے تعالیٰ پر ایمان لانے کے ساتھ یہ امر لازم و ملزوم کی طرح ہے کہ اُسکی قدرت کو کامل اور اُسکی طاقتوں کو غیر محدود مانا جائے۔ ورنہ اُس کی ہستی ایک خیالی ہستی ٹھہرتی ہے۔ اگر خدائے تعالیٰ فی الواقع موجود ہے جیسا کہ تمام الہامی کتابیں شہادت دیتی ہیں تو وہ کامل صفات کے ساتھ موجود ہونا چاہیئے اور اُس کی قدرت کی حدبندی کرنا ایک حماقت ہے۔

اسلام نے اس اصل کی اہمیت کو اچھی طرح سمجھا ہے۔ اور اس کو ایسا واضح کر دیا ہے

کہ اس میں ذرا بھی شک کی گنجائش نہیں رکھی۔

خدائے تعالیٰ کی ہستی کے متعلق سب سے پہلا امر خدائے تعالیٰ کی وحدانیت ہے اور دنیا کے قریباً تمام مذاہب اس عقیدہ میں بظاہر متفق ہیں لیکن گہری نظر کے ساتھ دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کے سوا دوسرے مذاہب میں یہ عقیدہ کامل اور صحیح طور پر نہیں پایا جاتا۔ اور یہ ایک ایسی قابل افسوس کمی ہے کہ حق کی خاطر اس کا اظہار ضروری معلوم ہوتا ہے۔

خدائے تعالیٰ کی وحدانیت کے ساتھ سب سے پہلے یہ امر بطور لازم ملزوم کے ہے کہ اُس کے صفات میں قطعی طور پر کسی قسم کی کمی یا نقص نہیں ہونا چاہیئے یا دوسرے لفظوں میں یوں کہو کہ کائنات کا سچّا اور واحد خدا تمام کامل صفات سے جو خیال میں آسکتی ہیں یا جو خیال میں نہیں آسکتیں متصف ہونا چاہیئے اور تمام اقسام کے نقصوں اور کمیوں سے جو گمان میں آسکتی ہیں یا نہیں آسکتیں پاک ہونا چاہیئے۔ مثلاً اگر ہم یہ عقیدہ رکھیں کہ خدائے تعالیٰ بھی ہماری طرح کسی چیز کو نیستی سے ہستی میں نہیں لاسکتا۔ اور نیست سے ہست کرنا خدائے تعالیٰ کے لیئے بھی ایسا ہی ناممکن ہے جیسا کہ انسانوں کے لیئے تو ہم ما قدروا اللّٰہ حق قدرہ کے جرم کے مرتکب ہوتے ہیں۔ کیونکہ ایسی صورت میں وہ ایک بڑھئی سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا اور اُسکی طاقت ایک انجینئر کی طاقت کے برابر ٹھہرتی ہے۔

مینے اکثر اچھے پڑھے لکھے آدمیوں کو یہ کہتے ہوئے سُنا ہے کہ یہ کس طرح ممکن ہے کہ محض نیستی سے ہستی ہو جائے۔ اُن کا یہ قول ہے کہ کوئی انسان اسوقت تک اس قابل نہیں ہُوا کہ نیست سے ہست کر سکے اسلیئے یہ عقیدہ کہ خدائے تعالیٰ بغیر مادہ کے چیزوں کو پیدا کرسکتا ہے سائینس اور عقل کے خلاف ہے لیکن یہ امر آسانی سے معلوم ہو سکتا ہے کہ ان لوگوں کا یہ قول ایک غلط خیال پر مبنی ہے۔ سائینس صرف انسانی دماغ کا نتیجہ ہے۔ یہ انسانی تجربوں اور مشاہدوں کا ایک مجموعہ ہے نسلاً بعد نسلٍ انسان نے جو جو تجربے حاصل کیئے ہیں اُنہی کا نام سائینس ہے۔ بے شک اسمیں بہت ہی مفید باتیں اور قیمتی صداقتیں پائی جاتی ہیں۔ لیکن اس بات کو تسلیم کرتے ہوئے کہ علم و فضل کے دائرہ میں سائینس ایک اعلیٰ درجہ اور بڑی قدر رکھتی ہے ہمیں یہ کہنا پڑتا ہے کہ اس میں بہت سی ایسی باتیں بھی شامل ہیں جو شک و شبہ سے خالی نہیں اسلیئے

سائینس غلطی سے پاک اور بری نہیں کہلا سکتی۔ سائینس کے قواعد کی حقیقت کو سمجھنے کے لیئے یہ امر ہمیشہ مدِ نظر رکھنا چاہیئے کہ سائینس صرف انسانی دائرہ کے اندر محدود ہے۔ اور جب کہ یہ انسانی تجربہ کی تنگ نالی سے باہر نہیں نکل سکتی تو یہ صاف ظاہر ہے کہ سائینس کا فتویٰ بھی انسانی امور تک ہی محدود رہنا چاہیئے۔ انسانی امور کی حدود سے باہر لیجانا اور اسکو ایسے امور پر حاوی سمجھنا جو انسانی دائرہ سے باہر ہیں ایک سخت غلطی اور خطرناک دھوکہ ہے۔

خدائے تعالیٰ ہمارے ظاہری حواس سے بالاتر ہے مگر وہ دروازہ جس کے ذریعہ سائینس کے علوم حاصل ہوتے ہیں یہی ظاہری حواس کا دروازہ ہے اسلیئے یہ امر ظاہر ہے کہ خدائے تعالیٰ کا مسئلہ سائینس کی تحقیقات اور تجربوں سے بالاتر ہے۔ یہ ایک نہایت ہی بیّن اور کھلی کھلی بات ہے جسکے سمجھنے میں کچھ بھی دِقت نہیں ہو سکتی۔

اب ہم اِس اعتراض کی طرف رجوع کرتے ہیں کہ خدائے تعالیٰ کوئی چیز نیست سے ہست نہیں کر سکتا۔ یہ ایک ایسا اعتراض ہے جو اپنی تردید کے لیئے خود ہی کافی ہے۔ سائینس کے پہلو سے یہ دعویٰ صرف ایک محدود معنوں میں پیش کیا جا سکتا ہے۔ یعنی اس دعویٰ کو اس رنگ میں پیش کیا جا سکتا ہے کہ سائینس کے دائرہ میں جو کہ انسانی تجربوں کا محدود دائرہ ہے یہ بات اسوقت تک ممکن ثابت نہیں ہوئی اور نہ آئندہ اس کا امکان نظر آتا ہے کہ کوئی چیز نیستی میں سے پیدا کی جا سکے۔ یہاں تک تو یہ دعویٰ بالکل درست ہے اور کوئی آدمی اس سے انکار نہیں کریگا لیکن اگر اس قاعدہ کو ان امور پر بھی چسپاں کیا جاوے جو انسانی حدود سے بالاتر ہیں۔ تو یہ ایک پرلے درجہ کی حماقت ہے۔ ہر ایک شخص جو ذرا بھی غور کریگا وہ اس بات کے قبول کرنے کیلیئے تو تیار ہو گا کہ جہاں تک انسان کا تعلق ہے اُس نے اسوقت کوئی ایسے ذرائع دریافت نہیں کیئے اور نہ وہ اس قابل ہوا ہے کہ نیستی سے کوئی چیز پیدا کر سکے یہ بات تو بے شک معقول ہے لیکن اس سے یہ نتیجہ نہیں نکل سکتا کہ خدائے تعالیٰ بھی نیستی سے ہستی کرنے کی قدرت نہیں رکھتا۔ اگر انسان ایک امر سے عاجز ہے تو اس سے یہ امر ثابت نہیں ہوتا کہ خدائے تعالیٰ بھی اس امر سے عاجز ہے۔ ایک کمزور۔ ناقص انسان پر خدائے تعالیٰ کا قیاس کرنا سخت نادانی ہے۔ اس لیئے یہ مشکل دراصل کوئی مشکل نہیں۔

صرف ہم نے خود اس امر کو مشکل بنا لیا ہے۔ الٰہی قدرت انسانی کمزوری سے لا انتہا درجے بالاتر ہے۔ اور انسانی قیاس کے تنگ دائرہ کے اندر صرف اُسی صورت میں لائی جاسکتی ہے جبکہ الٰہی جامہ بالکل اسکے اوپر سے اُتار دیا جاوے۔

ہم جو دنیا میں مختلف قسم کے دیوتے دیکھتے ہیں اور خدائے تعالیٰ کی نسبت مختلف رنگ کے خیالات پاتے ہیں اسکی وجہ بھی یہی ہے کہ لوگوں نے اپنی اپنی عقلوں کے مطابق خدا تجویز کیئے ہیں۔ چونکہ مختلف قوموں میں سائینس نے یکساں طور پر ترقی نہیں کی تھی اسلیئے اُنکے خدا بھی جو اُنہوں نے اپنے علم اور اپنی سائینس کے مطابق تجویز کیئے ایک دوسرے سے مختلف ہیں اگر بعض کے نزدیک خدا ایک لوہار ترکھان سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا جو بغیر مصالحہ کے کسی چیز کو پیدا نہیں کرسکتا تو بعض کے نزدیک وہ ایک ایسا خدا ہے جسکے وجود کے اندر ایک سے زیادہ خدا شامل ہیں اگر بعض ملکوں میں بہت سے خدا مانے گئے تو بعض نے ہمہ اوست کہکر ہر ایک چیز کو خدا بنا دیا۔ اس اختلاف کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ اب بعض لوگ خدائے تعالیٰ کو جو تمام کائنات کا خالق اور ربّ العالمین ہے محض جاہلوں کے توہمات کا نتیجہ سمجھتے ہیں۔

یہ نقص اسلیئے پیدا نہیں ہوا کہ سائینس روحانی ترقی کی راہ میں کوئی رکاوٹ ہے بلکہ اسکی وجہ یہ ہے کہ سائینس کو اُسکے حدود کے اندر محدود نہیں رکھا گیا۔

اسلیئے خدائے تعالیٰ کی نسبت صحیح عقیدہ رکھنے کے لیئے اس امر کو ہمیشہ اور پوری صفائی کے ساتھ مدنظر رکھنا ضروری ہے کہ جو چیز ظاہری انسانی حواس سے بالاتر ہے وہ سائینس کے دائرہ سے بھی بالاتر ہے اسلیئے سائینس ایسے امور میں دخل دینے کا کوئی حق نہیں رکھتی۔ سائینس کو اگر اسکے حدود کے اندر رکھا جاوے تو یہ انسانی ترقی کے لیئے بے شک ایک بیش بہا ذریعہ ہے لیکن اگر اسکو اسکے دائرہ سے باہر نکالا جاوے تو پھر اس کا نتیجہ سوائے گڑبڑ کے اور کچھ نہیں۔ سائینس ایک ایسا جال نہیں کہ تمام چیزیں اس کے اندر آجاویں۔

خدائے تعالیٰ کی ہستی اور صفات کی ماہیت انسانی عقل سے بالاتر ہے۔ اسلیئے اس سوال کے حل کرنیکے لیئے خارق عادت امداد کی ضرورت ہے اپنی کوششوں سے خدائے تعالیٰ کی ذات اور صفات کے سوالات کو حل کرنا محض تضیع اوقات ہے کیونکہ وہ ایک فوق الفوق ہستی ہے اور ہماری محدود عقل

کی وہاں تک رسائی نہیں ہو سکتی۔ جب تک خدائے تعالیٰ خود اس کام میں ہماری امداد نہ فرماوے ہم محض اپنی عقل کی مدد سے خدائے تعالیٰ کی نسبت صحیح عقیدہ قائم نہیں کر سکتے۔ یہ وہ مرحلہ ہے جہاں الہام الٰہی کی ضرورت نہایت سختی سے محسوس ہوتی ہے۔ اگر اس امر میں ہمیں صرف اپنی لیاقت پر چھوڑ دیا جاوے تو ہمارے لیئے سوائے یاس کے اور کچھ نہیں جہاں کہیں لوگوں نے الہام الٰہی کی امداد کے بغیر محض اپنی عقل کی روشنی سے اس عقدہ کو حل کرنا چاہا ہے تو اُنہوں نے بہت نقصان اُٹھایا ہے۔

کرہ ہوا۔ خدائے تعالیٰ کی نسبت غلط خیالات سے بھرا ہوا ہے۔ جس طرف ہم نظر اُٹھا کر دیکھتے ہیں عجیب و غریب دیوتوں کی تصویریں ہماری آنکھوں کے سامنے آتی ہیں۔ اور وہ اکیلی ذات پاک جس کے آگے انسان کو عبودیت کا سر خم کرنا چاہیئے اُس پر ہنسی اُڑائی جاتی ہے اور اس سے بھی عجیب بات یہ ہے کہ بعض دائروں میں قادر مطلق خدا کو بعض چیزوں کا محتاج سمجھا جاتا ہے۔ تعلیم یافتہ اور مہذب یورپ کے نزدیک خدائے تعالیٰ کا وجود ایک مرکب ہستی ہے جو تین جزؤں میں تقسیم ہو سکتی ہے۔ یہاں تک کہ اُس کا ایک اکلوتا بیٹا بھی ہے کاش کہ بیٹے کا لفظ حقیقی معنوں میں نہ لیا جاتا۔ بلکہ یہ لفظ حضرت مسیحؑ کے حق میں بھی اُنہی معنوں میں لیا جاتا جن معنوں میں خدائے تعالیٰ کے دوسرے نبی جو آسمانی حکمت اور روحانی علوم بغیر کسی زمینی واسطہ کے خدائے تعالیٰ کی طرف سے حاصل کرتے اور جو اپنی ہستی کو خدا کی ذات میں کھو دیتے اور اسلیئے الٰہی چادر میں لپیٹے جاتے ہیں استعارہ کے رنگ میں خدا کے بیٹے کہلا سکتے ہیں۔ اگر مسیحی صاحبان بیٹے کے لفظ سے صرف اسی قدر مراد لیتے ہیں تو ہمیں اس لفظ پر کوئی اعتراض نہیں۔ لیکن اگر وہ اس لفظ کو حضرت مسیح علیہ السلام کے حق میں کسی حقیقی معنوں میں استعمال کرتے ہیں تو ہم اس عقیدہ سے سخت نفرت کا اظہار کرتے ہیں کیونکہ اس سے سمجھا جاتا ہے کہ خدائے تعالیٰ بھی نعوذ باللہ مختلف اجزاء میں منقسم ہو سکتا ہے کیونکہ بیٹا درحقیقت باپ کا ہی ایک جزو ہوتا ہے۔

یہ دکھانے کے بعد کہ محض سائینس اور عقل بدوں امداد الہام الٰہی کے خدائے تعالیٰ کی نسبت صحیح اور پورا علم دینے سے عاجز ہیں۔ اب ہم ناظرین کے سامنے وہ عقیدہ پیش کرتے ہیں جو خدائے تعالیٰ کی نسبت قرآن شریف سکھاتا ہے۔ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے قل ھو اللہ احد اللہ الصمد لم یلد ولم یولد ولم یکن لہ کفواً احد۔ کہو۔ خدائے تعالیٰ

ایک ہے۔ وہ کسی کا محتاج نہیں۔ نہ اُس کا کوئی بیٹا ہے اور نہ وہ کسی کا بیٹا ہے اور نہ کوئی اُس جیسا ہے۔

دیکھو کیسی خوبصورتی سے اور کیسے کامل طور سے خدائے تعالیٰ کے متعلق صحیح عقیدہ کو چند لفظوں میں ادا کیا گیا ہے۔ یہ قرآن شریف کا ایک خاصہ ہے کہ وہ غیر ضروری الفاظ کو بڑھاکر عبارت کو لمبا نہیں کرتا۔ اور اصل مدعا کو ایسے صاف۔ مختصر اور موزون الفاظ میں ادا کرتا ہے کہ نہایت صفائی سے مطلب واضح ہو جاتا ہے۔ مندرجہ بالا آیات کریمہ میں سب سے پہلے لفظ اللہ قابل غور ہے۔ اللہ ایسی ذات کا نام ہے جو تمام صفات کاملہ کی جامع اور تمام عیوب اور نقصوں سے پاک ہو۔ اور اسلام کا خدا ایسا ہی خدا ہے۔ اسکے بعد قرآن شریف فرماتا ہے کہ وہ ذات اپنی صفات میں یگانہ ہے اور وہ اپنی صفات اور افعال میں کسی چیز کا محتاج نہیں۔ اُسکی صفات میں کوئی اور شخص یا کوئی اور چیز شریک نہیں اور وہ اپنے ارادوں کو پورا کرنے کے لیئے کسی اور چیز کی احتیاج نہیں رکھتا اور اُسکی خالقیت کے لیئے یہ ضروری نہیں کہ مادہ اور روح اُسکے ساتھ ہمیشہ سے موجود ہوں تا وہ اُنکے ذریعہ چیزوں کو پیدا کر سکے اور اُنکے بغیر وہ کسی چیز کے پیدا کرنے سے عاجز ہو۔ جہاں کہیں کوئی چیز ہے وہی اکیلا اُس کا خالق ہے۔

یہاں اگر ایک دو اعتراضوں کا جواب دیا جاوے تو بے محل نہ ہوگا۔ بعض اوقات یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ یہ خیال میں نہیں آسکتا کہ خدائے تعالیٰ نے روح اور مادہ کو کس طرح محض نیستی سے پیدا کر دیا۔ دوم۔ یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ جب انسان میں بعض صفات ایسے ہیں جو خدائے تعالیٰ کے صفات کے ساتھ مشابہ ہیں مثلاً رحم اور غضب ۔ تو پھر یہ کیوں نہ کہا جاوے کہ جس طرح انسان صرف اُسی صورت میں کوئی چیز بنا سکتا ہے جب اُسکے پاس مصالح موجود ہو اسی طرح خدائے تعالیٰ بھی صرف اسی صورت میں کسی چیز کو پیدا کر سکتا ہے جب مادہ موجود ہو اور ذی روح چیزوں کیلیئے علاوہ مادہ کے رُوح بھی موجود ہو۔ اگر ایک صورت میں مشابہت جائز ہے تو دوسری صورت میں بھی مشابہت جائز ہو سکتی ہے اگر ایک صورت میں مشابہت ہونے کی وجہ سے خدائے تعالیٰ پر کوئی اعتراض نہیں آسکتا تو کیا وجہ ہے کہ دوسرے امر میں مشابہت خدائی شان میں خلل انداز ہو۔ پہلے اعتراض میں تو وہی بات دُہرائی گئی ہے کہ نیستی سے ہستی کرنا سائینس کے رو سے ناممکن ہے۔

انسان صرف اُسی امر کو خیال میں لا سکتا ہے جو اُسکے حواس کے احاطہ کے اندر ہو کیونکہ یہ حواس ہی اُسکے لیئے علم کا ذریعہ ہیں۔ اور جو چیز اُسکے حواس کے احاطہ سے باہر ہو اُسکو وہ کسی طرح اپنے خیال میں نہیں لا سکتا۔ خدائے تعالیٰ کے تمام صفات ایسے ہیں کہ انسان اُنکی کنہ دریافت کرنے سے قاصر ہے۔ کیا انسان کے خیال کا ازلیت اور ابدیت اور عدم ابتداء و عدم انتہاء پر احاطہ ہو سکتا ہے۔ ایک محدود ہستی جو سب طرف سے حد بندیوں میں گھری ہوئی ہے ایسی ہستی کو پورے طور پر کامل صفائی اور وضاحت کے ساتھ اپنے خیال میں نہیں لا سکتی جس کا نہ کوئی ابتداء ہے اور نہ کوئی انتہاء ہے۔ کیا انسان نہایت صفائی کے ساتھ اس امر کو اپنے خیال میں لا سکتا ہے کہ بغیر آنکھ کے دیکھنا ممکن ہے مگر باوجود اسکے وہ صدق دل سے اس بات پر ایمان لاتا ہے کہ خدائے تعالیٰ بغیر آنکھوں کی امداد کے دیکھتا ہے۔ پھر کیا وہ اس امر کو اپنے خیال میں لا سکتا ہے کہ بغیر دل اور دماغ کے علم کا ہونا ممکن ہے لیکن باوجود اسکے اسکو اس امر میں ذرا بھی شک نہیں کہ خدائے تعالیٰ کو زمین و آسمان میں ہر ایک چیز کا علم ہے مگر انسان کا دل و دماغ وہ نہیں رکھتا۔ اس طرح کئی مثالوں سے یہ امر واضح کیا جا سکتا ہے کہ خدائے تعالیٰ کے تمام افعال انسان کے ادراک سے بالاتر ہیں۔ اور ایسا ہی ہونا چاہیئے۔ انسانی دل صرف انہی چیزوں کو خیال میں لا سکتا ہے جن کا علم حواس کے ذریعہ اُسے پہنچتا ہے اور جو امور اسکے حواس کے احاطہ سے بالاتر ہیں وہ اس کے ادراک سے بھی بالاتر ہیں۔

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ بعض صفات خدائے تعالیٰ میں ایسی ہیں کہ انسان میں بھی اُنکے مشابہ صفات پائی جاتی ہیں۔ مثلاً رحم اور غضب کی صفات خدائے تعالیٰ میں بھی پائی جاتی ہیں اور انسان میں بھی۔ اسلیئے اگر صرف مادہ کے ذریعہ پیدا کرنے کی صفت جیسی انسان میں پائی جاتی ہے ایسی ہی اگر خدا میں بھی تسلیم کی جاوے تو اس سے خدائے تعالیٰ کی شان پر کچھ حرف نہیں آسکتا - یہ اعتراض ہے جو بعض لوگ پیش کرتے ہیں۔

یہ سچ بات ہے کہ رحم کی صفت خدائے تعالیٰ میں بھی ہے اور انسان میں بھی رحم کی صفت موجود ہے مگر فرق یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ رحیم ہے مگر وہ انسانی قلب کے بغیر رحم کرتا ہے۔ اس طرح اُسمیں غضب کی صفت ہے۔ مگر اس سے یہ نہیں پایا جاتا کہ جس طرح انسان کے اندر غضب کا مرکز ایک دل ہے جیسا کہ انسان کا دل ہے۔ خدائے تعالیٰ رحم بھی کرتا ہے اور غضب کی صفت بھی

ص اسی طرح خدا تعالیٰ اس بھی ایک ایسا ہی دل ہے

ظاہر کرتا ہے مگر وہ ان صفات کے ظہور کے لیئے انسانی دل کا محتاج نہیں۔ لیکن انسان صرف اس صورت میں اپنے اپنے موقعہ پر رحم اور غضب کی صفات کا اظہار کر سکتا ہے جبکہ اُس کا دل اپنا کام کر رہا ہو۔ یہ فرق ہے جو انسان کے رحم و غضب کی صفات موجود ہیں۔ لیکن ایک صورت میں انسانی دل کے بغیر اُن کا ظہور نہیں ہو سکتا۔ یعنی اُن کے ظہور سے پہلے ضروری ہے کہ انسانی دل کا وجود ہو۔ لیکن دوسری صورت میں وہ کسی ایسی چیز کی محتاج نہیں بلکہ دل کی امداد کے بغیر ہی وہ ظہور میں آتی ہیں الٰہی صفات اپنے ظہور کے لیئے دوسری چیزوں کی محتاج نہیں ہیں۔ اور جو فرق انسانی رحم و غضب اور الٰہی رحم و غضب میں ہم دیکھتے ہیں وہی فرق خدائے تعالیٰ کے بنانے اور انسان کے بنانے میں ہے۔ انسان اس طرح نہیں بنا سکتا جس طرح کہ خدائے تعالیٰ بناتا ہے۔ انسان ایک چیز کے بنانے کے لیئے مادہ کا محتاج ہے لیکن خدائے تعالیٰ مادہ کا محتاج نہیں بلکہ وہ مادہ کے بغیر بھی پیدا کر سکتا ہے۔ انسان کسی چیز کو نہیں بنا سکتا جب تک پہلے اُس چیز کا ضروری مصالح موجود نہ ہو لیکن خدائے تعالیٰ کی خلق کے لیئے پہلے مادہ اور روح کا وجود ضروری نہیں۔

اسکے بعد خدائے تعالیٰ فرماتا ہے۔ لم یلد ولم یولد۔ کمال کے لیئے یگانگت کا ہونا لازمی ہے۔ دوئی یا کثرت کے ساتھ کمال موجود نہیں ہو سکتا۔ اور یہ امر بالکل ناممکن ہے کہ دو مختلف چیزیں موجود ہوں اور اُن میں باہم کوئی تمیز نہ ہو۔ اگر کوئی فرق نہ ہو تو وہ دونوں وجود ایک کے حکم میں آجائیں گے۔ کامل تطبیق وحدت کا دوسرا نام ہے۔ اگر ایک۔ خدا سے دوسرا خدا نکل سکتا ہے تو جب تک وہ دونوں علیحدہ علیحدہ وجودوں کے طور پر ہمارے خیال میں آسکتے ہیں تو وہ دونوں کامل نہیں کہلا سکتے۔ اگر ایک ناقص ہے تو پھر وہ کامل وجود ہی نہیں ہو سکتا۔ غرض بیٹا رکھنے کی صفت کمال کی صفت کے ساتھ موجود نہیں ہو سکتی۔

مندرجہ بالا سورہ شریفہ کی آخری آیۂ کریمہ یہ ہے ولم یکن لہ کفوا احد یعنی خدائے تعالیٰ کے برابر اور اُس جیسا اور کوئی نہیں۔ دو یا دو سے زیادہ کامل وجودوں کا ہونا بالکل ناممکن ہے۔ دو یا دو سے زیادہ مختلف وجود صرف اُسی صورت میں موجود ہو سکتے ہیں جب کہ اُن میں سے ہر ایک میں بعض ایسی باتیں موجود ہوں جو دوسروں میں نہ ہوں۔ پس جب

اُن میں سے ہر ایک میں بعض چیزیں نہ ہوں گی تو وہ ناقص ہوگا۔ پس دو یا دو سے زیادہ مختلف وجود پورے اور اتم طور پر کامل نہیں کہلا سکتے۔ پورے کمال کے لیئے جو خدائے تعالیٰ کی ایک صفت ہے یگانگت اور وحدت کا ہونا ضروری ہے اور علاوہ وحدت اور یگانگت کے ایسے وجود کے لیئے ضروری ہے کہ وہ کسی دوسری چیز کا محتاج نہ ہو۔

الغرض جس خدائے تعالیٰ کو اسلام پیش کرتا ہے کہ وہی ایک تمام صفات کاملہ کا جامع ہے اور تمام قسم کے نقصوں سے پاک ہے وہ اپنے صفات کے اظہار کے لیئے کسی چیز کا محتاج نہیں۔ اور جیسا کہ کمال کا تقاضا ہوتا ہے اُسکی تمام صفات میں کوئی دوسرا وجود اسکی نظیر نہیں ؂ (عبد الحق)

حضرت احمد علیہ السلام قادیانی

یہ ایک سچی بات ہے کہ کامیابی راستباز کی صداقت کا ایک زبردست معیار ہے۔ پودوں کی طرف دیکھو جن پودوں کی کوئی حفاظت اور غور و پرداخت نہیں کیجاتی یا تو وہ بسا اوقات گل سڑ جاتے ہیں یا اُن کو کیڑے اور دوسرے جانور کھا جاتے ہیں مگر جن پودوں کی پوری نگہداشت میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا جاتا۔ وہ یقیناً بڑھتے پھولتے اور پھلتے ہیں۔ پس اس سے یقیناً سمجھ لو۔ کہ **جس پودے کو خدا لگاتا ہے کوئی نہیں ہے جو اسکو نقصان پہنچا سکے**۔ جب اللہ کریم کسی کو اپنی **قدرت** سے پرورش کرتا ہے تو اپنی قدرت عجیب عجیب پیراؤں میں ظاہر کرتا ہے۔ کیا آپ کو یاد ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ کیا معاملہ ہوا تھا؟ وہ عظیم الشان انسان خدا کی طرف سے فرعون کے لیئے مبعوث ہوا تھا۔ مگر جب وہ فرعون کے پاس گیا تو اُس نے نہایت ذلت اور حقارت کی نگاہ سے حضرت موسیٰؑ کو دیکھا۔ اور کہا کہ میں تو اس سے بہتر ہوں۔ یہ تو ایک ذلیل آدمی ہے اور صاف بول بھی نہیں سکتا۔ مگر دیکھو کہ وہ انسان۔ کمزور اور ناتوان انسان (فرعون) جسکو اپنے ہاتھیوں۔ اپنے لشکر۔ اپنی فوج۔ قوم اور طاقت پہ اتنا ناز تھا۔ **آخر وہ کہاں گیا؟** کیا اللہ کریم تبارک و تعالیٰ نے آن کی آن میں صفحۂ ہستی سے اُس کا نام و نشان مٹا دیا تھا؟۔ اور اُسکے دیکھتے دیکھتے حضرت موسیٰؑ

کو مظفر و منصور نہیں کر دیا تھا؟ پس یہ خوب یاد رکھو۔ کہ جب کوئی انسان اللہ کریم کی طرف سے آتا ہے یقیناً کامیابی کو اپنے ساتھ لیکر آتا ہے یہ ایک بڑی زبردست اصل ہے اور ایک راست باز کی صداقت کا ایک اٹل اور ناقابل تردید معیار ہے۔ اسی طرح ہمیشہ سے چلا آیا ہے اور اسی طرح ہمیشہ ہوتا رہیگا۔ پیارے ناظرین۔ آیئے۔ ہم آپ کو اس کا ایک نظارہ دکھائیں۔

موجودہ زمانے کے حالات پر غور فرماؤ۔ اور دیکھو کہ کیا یہ زمانہ بلحاظ اپنی عجائبات کے اپنی نظیر آپ نہیں ہے؟ لیکن ہم آپ کی توجہ کو سب سے بڑھکر حیرت انگیز واقعہ کی طرف مبذول کرانا چاہتے ہیں۔ وہ کون سا واقعہ ہے وہ احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ظہور کا واقعہ ہے۔ کیا آپ جانتے ہیں کہ یہ حضورؑ کون تھے؟ آیئے۔ اِس جلیل القدر انسانؑ کے متعلق ہم آپ کو کچھ بتائیں۔ ہم سب خدا کے بندے ہیں۔ یہ ایک بدیہی بات ہے۔ اور حضرت احمدؑ بھی بلحاظ ایک بندۂ خدا ہونیکے ہماری طرح کے ایک بندے تھے۔ مگر پھر ہمارے درمیان اور اُنکے درمیان مابہ الامتیاز کیا بات تھی؟ سُنیئے وہ خدا سے باتیں کیا کرتے۔ اور ہمیں ایسا کوئی دعوٰی نہیں خدا کا کلام انپر نازل ہوتا تھا۔ اور وہ اپنے سوالات کا خدائے تعالےٰ سے اس طرح جواب پاتے گویا ایک دوست دوست کو جواب دیتا ہے۔ وہ خدا سے باتیں کیا کرتے۔ اور خدا اُن سے باتیں کیا کرتا۔ ٹھیک اُسی طرح جس طرح دو شخص ایک دوسرے سے باتیں کیا کرتے ہیں۔ کیا یہ حیرت انگیز بات نہیں؟

اجی۔ انسان انسان سے تو باتیں کیا ہی کرتا ہے۔ کیونکہ وہ اُس کا ہم جنس۔ ہم نشین اور ہم زبان ہوتا ہے۔ مگر کیا ایک انسان کا خدا سے ہمکلام ہونا عجوبہ نہیں؟ یہ تعجب اور بھی بڑھ جاتا ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ کروڑہا انسانوں میں سے جو اسوقت دنیا میں آباد ہیں صرف وہی ایک انسان تھا۔ جسکو خدا سے ہمکلامی کا خاص شرف حاصل تھا اور جسکی طرف خدائے تعالےٰ کی ہدایت کی اعلیٰ تجلیات تمام پردوں سے مبرّا اور مصفا ہو کر رخ کیا کرتیں اور جن پر طرح طرح کے برکات نازل ہُوا کرتے تھے۔ اور ان کے سوا اور کوئی انسان اس عزت کا اہل ثابت نہ ہُوا۔

آج سے ۱۳۰۰ سال پیچھے تک نظر ڈالو۔ آپ کو اس تیرہ سو سال میں ایک شخص بھی دکھائی نہ دیگا جس پر اس کثرت۔ تواتر اور صفائی سے کلام الٰہی نازل ہوتا رہا ہو جیسا کہ

ہمارے حضرت احمد قادیانی مسیحِ موعود اور مہدی مسعود پر نازل ہوتا رہا ہے۔ باوجود اسکے کہ واقعات شاہد ہیں کہ پچھلے ۱۳۰۰ سال میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد دنیا میں اور کوئی انسان نہیں ہوا جسپر اسقدر کثرت تواتر اور صفائی سے اللہ تعالیٰ کا کلام نازل ہوتا رہا ہو۔ تاہم ایک شخص کہہ سکتا ہے۔ کہ مانا کہ پچھلے ۱۳۰۰ سو سال میں تو کوئی انسان ایسا پیدا نہیں ہوا جسکو اللہ تعالیٰ کے ساتھ اسقدر مکالمہ اور مخاطبہ کی عزت حاصل ہوئی ہو۔ پر اس کا کیا ثبوت ہے۔ کہ حضرت احمدؑ کو بھی یہ شرف حاصل تھا؟ اس کا ناطق اور ناقابل تردید ثبوت ہمارے پاس موجود ہے۔ جو ہم انشاءاللہ پیش کرینگے۔

حضرت احمدؑ قادیانی کے والد ماجد ایک رئیس تھے۔ اور اس وجہ سے اُن کو ہر طرح سے دنیاوی نکتۂ خیال سے ایک عمدہ زندگی بسر کرنے کے اسباب مہیا تھے۔ اور وہ ایک امیرانہ ٹھاٹھ سے بسر اوقات کر سکتے تھے۔ مگر انہیں دنیا کے آراموں کی کوئی قدر نہ تھی۔ وہ ہمیشہ تنہائی کی زندگی پسند کرتے رہے۔ اور باوجود ایک رئیس پسر رئیس ہونیکے سال ہا سال تک ایک گمنام گوشے میں الگ تھلگ پڑے رہے۔ لیکن کیا یہ دنیاوی عیش و عشرت سے کنارہ کشی۔ یہ تجرید اور گمنامی بے معنی تھی۔ نہیں۔ اسی گمنامی کی بدولت گوشۂ تنہائی میں **خدا نے اپنے آپ کو ان کے سامنے بے نقاب کیا اور کہا کہ آؤ جی جی بھر کر باتیں کر لو۔** بس پھر کیا تھا۔ تمام تکلیفیں دُور ہو گئیں۔ سب ماندگیاں دُور ہو کر دل کی کلی کھل گئی اور جی باغ باغ ہو گیا۔ خدا کی یہ پہلی آواز۔ اسی تنہائی کی کٹھیا میں سُنائی دی تھی جس میں وہ شب و روز رہا کرتے۔

مگر کیا یہ آواز مہمل تھی اور کچھ مطلب نہ رکھتی تھی۔ کیا یہ خالی الفاظ تھے۔ نہیں بلکہ یہ وہ آواز تھی **جو حرف بحرف پوری ہوئی۔** پھر کیا آپ جانتے ہیں کہ اس آواز میں وہ کیا بات مرکوز تھی۔ جس کی وجہ سے خدا نے پسند کیا کہ وہ خود ایک۔ انسان سے ہمکلام ہو۔ سنیئے۔ انہیں یہ راز تھا کہ خداوند کریم نے چاہا۔ کہ وہ اپنی کبریائی اور جلال کا اظہار دنیا پر کرے۔ اور نیز **بتائے کہ وہ جسکو چاہے افضل الانام بنا کر ہر ایک دل میں اسکی قبولیت رکھدے۔**

اسی لیئے اس آواز کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے ایسے واقعات کا اظہار پسند کیا۔ جو ایک عام انسانی نظر اور وہم و گمان سے قطعاً محجوب اور نہایت ہی دُور دراز زمانے میں پیش آنیوالے تھے۔ اور پھر یہ واقعات کچھ اس قسم کے حیرت انگیز اور تعجب خیز امور پر مشتمل تھے کہ **خود حضرت احمدؑ کو**

پہلے پہل اُن کا اِمکان محال معلوم ہوتا۔

صرف یہی بات نہ تھی۔ کہ اللہ کریم نے حضرت احمدؑ پر آئندہ آنیوالے مخفی در مخفی واقعات کا وقتِ وقوع سے سالہا سال پہلے انکشاف کر دیا۔ بلکہ اُس تنہائی بے کسی اور گمنامی کے زمانے میں اُن کو کہا۔ کہ دیکھ میں تجھیں حیرت انگیز مدد دونگا۔ اور اس گمنامی کی حالت سے نکال کر تمھارے نام کو آفتابِ عالم کی طرح دنیا میں روشن کر دوں گا۔ اور دلوں کے اندر تیرے لیئے عام قبولیت پیدا کر دونگا۔

چنانچہ ملاحظہ ہوں یہ چند باتیں جن کے ذریعے سے خدائے تعالیٰ نے ابتداءً حضرت احمدؑ سے کلام شروع کیا اور یاد رکھیئے کہ یہ ہزارہا ایسی باتوں میں سے چند ہیں:-

یاتون من کل فج عمیق	اگرچہ اسوقت تو گوشہ گمنامی میں پڑا ہوا ہے۔ اور کوئی تجھے نہیں جانتا۔ مگر ایک وقت آتا ہے۔ کہ دُور دراز مقامات سے لوگ تیرے پاس آوینگے۔ اور اس کثرت سے آئیں گے کہ تیرے گاؤں کی سڑکوں میں گڑھے پڑ جاوینگے۔
فحان ان تعان و تعرف بین الناس	وہ وقت نزدیک آگیا ہے۔ جب تجھے نصرت ملے گی اور جہان میں تیرا نام روشن ہو جاوے گا۔
الیس اللہ بکاف عبدہٗ	کیا اللہ اپنے بندے کے لیئے کافی نہیں ہے؟ دیکھو مخاطب کرنے کا یہ کیسا پیارا طرز ہے۔ اللہ کریم نے یہ نہ کہا۔ کہ اللہ تیرے لیئے کافی ہے بلکہ کہا تو یہ کہا کہ کیا وہ اپنے بندے کے لیئے کافی نہیں ہے؟ اپنا بندہ کہکر کسقدر پیار۔ تعلق اور عزت افزائی کے خیال کا اظہار فرمایا۔

چونکہ دُور دراز ملکوں سے کثرت کے ساتھ آدمیوں کے آنے کے یہ معنے تھے۔ کہ اُن کی رہائش۔ چارپائیوں۔ بستروں۔ کھانے پینے اور دیگر ضروریات کا بصورتِ احسن انتظام ہو اور یہ ایک بہت بڑا بوجھ تھا۔ اسلیئے ایسی حالت میں جبکہ حضرت احمدؑ بالکل تن تنہا تھے۔ اور کوئی انکا یار مددگار نہ تھا۔

اور باپ کی امارت سے بھی کچھ سروکار نہ رکھا تھا۔ اسلیئے طبعاً اُن کے دل میں یہ خیال پیدا ہُوا۔ کہ مولیٰ تیرے یہ کلمات تو سچے ہیں اور ضرور پورے ہو کر رہینگے مگر ایسے موقعہ پر جو اخراجات اور سامان درکار ہیں اُن کا پھر تُو ہی متکفل ہونا۔ مَیں خود تو نادار اور بے یار و مددگار ہوں۔

یہ باتیں تھیں اور اس قسم کے خیالات و افکار تھے۔ جنکی تسکین کے لیئے اللہ کریم نے پسند فرمایا کہ پہلے ہی سے اُن کو تا لکھے۔ کہ تمھارے فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ ہم خود تمھاری تمام ضروریات کے پورا کرنیکا انتظام فرماوینگے۔

ولاتیئس من روح اللہ الا ان روح اللہ قریب الا ان نصر اللہ قریب یاتیك من کل فج عمیق یاتون من کل فج عمیق ینصرك اللہ من عندہٖ ینصرك رجال نوحی الیھم من السماء انك باعیننا یرفع اللہ ذکرك ویتم نعمتہٗ علیك فی الدنیا والاخرۃ۔

دیکھ خدا کے رحم سے مایوس نہ ہونا۔ کیونکہ اسکا رحم قریب ہی ہے۔ اور سنو خدا کی نصرت بھی قریب ہی ہے۔ وہ سڑکیں جن سے اللہ تعالیٰ مختلف رنگوں میں اپنی نصرت بھیجے گا اُن میں کثرت استعمال کی وجہ سے گڑھے پڑ جاوینگے۔ لوگ دُور دراز ملکوں سے تیرے پاس آئینگے۔ خدا خود تیرا ناصر و مددگار ہوگا۔ ہم خود آسمان سے لوگوں کے دلوں میں الہام کرینگے کہ وہ تیری مدد کریں تُو ہماری آنکھوں کے سامنے ہے۔ اور تیری نصرت کرنا ہر وقت ہمارا نصب العین ہے۔ ہم تیرے نام کو دنیا میں روشن کر دینگے اور تیرا ذکر بلند کر دینگے۔ وہ خدا دنیا میں بھی تجھے بہت کچھ دیگا۔ اور اپنی نعمتوں کی تکمیل تجھ پر کر دیگا۔ اور آخرت میں بھی ایسا ہی ہوگا۔

ولا تصعر لخلق اللہ ولا تسئم من الناس

دیکھ۔ جب تیرے پاس تیری ملاقات کے لیئے دُور دراز ممالک سے بے تعداد اور بے اندازہ لوگ آنے لگیں اور ضرور ایسا ہو کر رہیگا تو اسوقت فطرت انسانی کے مطابق کبیدہ خاطر نہ ہونا۔ اور اُن سے رُخ نہ پھیر لینا۔ اور بلکہ ہمیشہ خوش اخلاق اور خندہ پیشانی رہنا۔ اور اُن کی دلجوئی کے لیئے ہر وقت تیار رہنا۔

اصحاب الصفہ وما ادراک ما اصحاب الصفہ ترٰی اعینھم تفیض من الدمع یصلّون علیک ربنا اننا سمعنا منادیا ینادی للایمان

دیکھ۔ کئی لوگ اپنے گھر بار کو چھوڑ دینگے۔ اور اس لیئے کہ الہام کی روشنی سے مستفید ہوں جو اوپر سے آتی ہے۔ ہجرت کرکے قادیان میں آرہیں گے۔ یہ لوگ اصحاب صفہ کہلائیں گے۔ کیا تم جانتے ہو کہ خدا تعالیٰ کے نزدیک اُن کی کیا شان ہے۔ اور کس پایہ کا اُن کا ایمان ہے۔ تو دیکھے گا۔ کہ اللہ تعالیٰ کی اہمیت اور اسکی رضاجوئی کے حصول کے خیال سے اُن کی آنکھیں ہمیشہ پُر از اشک رہیں گی اور وہ پکار اُٹھیں گے۔ کہ مولا کریم۔ ہاں اے ہادی کریم ہم نے تیرے ایک مامور کی آواز کو سُن لیا۔ ہاں ہم نے اس کی آواز کو سُن لیا۔ وہ لوگوں کو ایمان کی طرف بلاتا رہتا ہے۔

اذا جاء نصر اللہ والفتح وانتھی امر الزمان الینا الیس ھذا بالحق

دیکھو جی۔ اللہ تعالیٰ کی نصرت اور فتح ضرور تمھارے شامل حال ہوکر رہیگی۔ اور جوق۔ جوق لوگ ہماری طرف رجوع کرینگے۔ یہ باتیں ضرور پوری ہوکر رہیں گی۔ اور جب سب کچھ یوں ہی ہوجاویگا۔ تو پھر کہا جاویگا۔ کیا ہم نے سچ نہ فرمایا تھا؟

اِن الہامات اور اس قسم کے اور الہامات کے ساتھ ارشاد خداوندی صادر ہوا تھا۔ کہ "املوا" یعنی اِن کو لکھ رکھو۔ سو حضرت احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام اُن تمام الہامات کو لکھتے رہے۔ جنکی متعلق اُنکو حکم ہوا تھا کہ لکھتے رہو۔

اب سوچو اور غور کرو۔ کہ یہ تمام الہامات کس زمانے میں نازل ہوئے تھے۔ کیا یہ ایسے زمانے میں نازل نہیں ہوئے تھے۔ جبکہ حضرت احمد علیہ السلام ایک گمنام زندگی بسر کر رہے تھے۔ کیا قادیان اُسوقت ایک بالکل گمنام گاؤں نہ تھا؟ یہ گاؤں تو اب بھی ریلوے سٹیشن سے بہت فاصلہ پر اور راستے سے ہٹ کر ایک طرف واقعہ ہے اور ایسے ضلع کے اندر ہے جو سرحد پر اور مین لائن سے دور پڑا ہے۔ پھر اُن واقعات پر نظر کرو۔ جو الہامات مندرجہ بالا کے ذریعے سے حضرت احمدؑ پر منکشف

ہوئے۔ کیا اسوقت اُن واقعات کا ظہور پذیر ہونا بالکل غیر ممکن نہ معلوم ہوتا تھا۔ کیا ایسا شخص جس نے حضرت احمدؑ کو دیکھا ہو اور اُن کی گمنام اور بے سروسامانی کی حالت کا موازنہ کیا ہو کبھی خیال کر سکتا تھا۔ کہ یہ امور ٹھیک اسی طرح واقع ہو جاوینگے جس طرح بتایا گیا ہے۔ کیا یہ قادیانی رسولؑ کی طاقت کے اندر تھا۔ کہ وہ خود اُن کو پورا کر سکے؟

حضرت مسیح ناصری علیہ السلام کے آسمان پر اُٹھایا جانے اور دوبارہ اُترنے کے متعلق حضرت احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وہی خیالات تھے جو پُرانے خیالات کے مسلمانوں کے تھے۔ اور یہی وجہ تھی کہ آپ نے اپنی پہلی کتاب براہین احمدیہ میں یہ بات بیان کی تھی کہ مسیح ابن مریم آسمان پر زندہ موجود ہے اور وہ بذاتِ خاص دنیا کی اصلاح کے لیئے دوبارہ دنیا میں آئے گا۔ مسلمانوں کا یہ اعتقاد تھا۔ کہ رسول کریم صلعم کے بعد اور کوئی نبی نہیں آسکتا۔ مگر ہاں مسیح ابن مریم قیامت کے نزدیک ضرور آویں گے۔ کیونکہ وہ اپنے جسم کے ساتھ آسمان کو چلے گئے ہوئے ہیں اور وہاں زندہ موجود ہیں۔ مولوی لوگ عموماً سنایا کرتے تھے کہ اب نبوت کسی کو عطا نہیں ہو سکتی اور اب ممکن ہی نہیں ہے کہ کوئی شخص نبی بنکر دنیا میں آسکے۔ اور اُنکا یہ اعتقاد تھا کہ جس طرح سے خدا انبیائے سابقین کے ساتھ کلام کرنے پر قادر تھا۔ وہ اب اس طرح کلام نہیں کر سکتا۔ حضرت احمدؑ نے بھی انہی خیالات کے لوگوں کے درمیان پرورش پائی تھی۔ اور بچپن ہی سے اس قسم کی باتیں چونکہ عموماً آپکے سُننے میں آتی رہیں اسلیئے یہ خیالات گویا آپ کے رگ و ریشہ میں سرایت کر چکے تھے۔ اسلیئے جب آپنے اپنی تنہائی کی کُٹھیا میں خدا کی آواز سُنی تو آپ کو بھی اُس عجیب و غریب مگر دلفریب آواز سے ایسی ہی حیرت ہوئی جیسا کہ وہ دوسروں کے اچنبھے کا باعث ہو سکتی تھی۔ یہ بات کبھی آپ کے وہم و گمان میں بھی نہ آسکتی تھی کہ خدا آپ سے اس طرح کلام کر سکتا ہے جیسا کہ وہ کبھی انبیائے سابقہ سے کیا کرتا تھا۔ اور یہ تو قطعاً ہو ہی نہ سکتا تھا۔ کہ آپکے دل میں یہ خیال پیدا ہو کہ آپ کو نبی بھی بنایا جاویگا۔ لیکن خدائے تعالٰی نے آپکے ساتھ کلام کی۔ اور پھر کلام کی۔ اور بار بار کی اور ایسی کثرت۔ تواتر اور صفائی سے آپکے ساتھ کلام کرتا رہا۔ کہ آپ کو یقین ہو گیا کہ یہ تو خدا ہی کا کلام ہے۔ علاوہ ازیں۔ جبکہ آپ کو روزمرہ کئی

ایسی باتوں کا علم دیا جاتا تھا ۔ جو پردۂ غیب میں ہوتی تھیں۔ اور پھر ہو بہو اُسی طرح اُنکا ظہور بھی ہو جاتا تھا۔ تو آپکے دل میں کوئی شک باقی نہ رہا۔ کہ یہ الہامی آواز ہے۔ جو بار بار آپ کو سنائی دیتی ہے۔

جن پیشگوئیوں نے کسی آئندہ دُور دراز زمانے میں پورا ہونا تھا۔ اُن کے متعلق ارشاد ہُوا تھا کہ ان کو لکھتے رہو۔ اس حکم خداوندی کی غرض یہ تھی۔ کہ اُن پیشگوئیوں کا اپنے اپنے وقتوں پر پورا ہونا **دنیا کے لیئے نشان ہو** ۔ اور لوگوں کو خدا کی ہستی پر ایمان پیدا ہو۔ اور نیز اُن کو اس بات پر ایمان پیدا ہو۔ کہ وہ اب بھی اسی طرح کلام کرنے پر قادر ہے جیسا کہ وہ کبھی کسی زمانۂ گذشتہ میں تھا۔ اب بھی وہ کسی آئندہ دُور دراز زمانے میں پیش آنیوالے واقعات کا ایسا ہی علم رکھتا اور دوسروں کو اس کا علم عطا کر سکتا ہے۔ اور اب بھی وہ دنیا کے معاملات پر ایسا ہی اختیار رکھتا اور اپنے تختِ حکومت پر بے عیب قائم ہے۔ اور ہر ایک معاملہ میں جس طرح چاہے کرتا ہے اور کرتا رہیگا جیسا کہ اس سے پہلے کبھی کر سکتا تھا۔ اور نیز **اس بات پر ایمان ہو۔ کہ حضرت احمد علیہ السلام خدا کے نبی اور رسول ہیں** ۔ اور اس مادی دنیا میں اس لیئے آپ کی بعثت ہوئی تاکہ آپ ہر قسم کے شرک کا استیصال کر کے اللہ تعالیٰ کی محبت سے لوگوں کے دلوں کو معمور کریں۔

پس منشائے الٰہی کے مطابق حضرت احمد علیہ السلام نے ایک کتاب لکھی اور اس کا نام براہین احمدیہ رکھا اس کتاب میں وہ الہامات اور مکالمات الٰہیہ درج ہیں جن سے ایسے زمانے میں آپ کی عزت افزائی کی گئی تھی جبکہ آپ ایک حجرہ میں مجردانہ زندگی بسر کیا کرتے تھے۔ یہ **کتاب آج سے ۴۴ سال پہلے ۱۸۸۰ء میں تصنیف ہوئی** ۔ اُس زمانے میں آپ بالکل گمنام زندگی بسر کرتے تھے۔ اور کوئی شخص آپ کو نہ جانتا تھا۔ اور آپ کی پیشگوئیوں کے پورا ہونے کا کسی کو وہم بھی نہ ہو سکتا تھا براہین احمدیہ میں سینکڑوں الہامات اور پیشگوئیاں چھپی ہوئی ہیں۔ ہم نے تو اُن میں سے صرف چند ایک کا ذکر کیا ہے مذکورہ بالا پیشگوئیوں میں سات اغراض کو مدنظر رکھا ہے اور یہ ساتوں کے ساتوں اغراض ایسے اہم اور مہتم بالشان ہیں کہ حضرت احمد جیسے گمنام شخص کی احاطۂ قدرت میں نہ تھا کہ اُن کو پورا کر سکے۔

مفصلہ ذیل سطور پر غور کرو۔ کہا گیا تھا کہ (۱) تیری مخالفت ہوگی۔ اور ہر طرف سے کوشش ہوگی کہ تیری ترقیات کے راستوں میں روڑے اٹکائے جائیں لیکن دشمن کی کوششیں بار آور نہ ہونگی۔ اسکو ذلت پر ذلت دیکر زک پہنچائی جاویگی۔ اور پھر لوگوں کے دلوں کو تیری خاطر خالی کر دیا جاویگا اور کثرت سے اُن کا رجوع تیری طرف ہوگا۔ جیسا کہ وانتھی امر الزمان الینا۔ ایسی ندا بالحق سے ظاہر ہے یعنی دنیا کے لوگوں کا رجوع ہماری طرف ہوگا۔ اور پھر یہ پوچھا جاویگا۔ کہ کیا یہ سب خدا کی طرف سے نہ تھا۔ (۲) دُور دراز جگہوں سے مدد پہنچے گی۔ اور تیرے کام کی تکمیل کے لیئے جو کچھ بھی تجھے ضرورت ہوگی وہ سب کچھ تجھے دیا جاویگا اور قادیان کی سڑکوں پر اسقدر کثرت سے آمد و رفت ہوگی کہ وہ جا بجا شکستہ ہو جاوینگی اور اُنہیں گڑھے پڑ جاوینگے۔ (۳) کثیر التعداد لوگ دُور دراز ملکوں سے آکر تیرے گرد جمع ہو جاویں گے۔ (۴) تیرے استیصال اور بربادی کے لیئے لوگ کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرینگے۔ مگر خدا تیرا محافظ ہوگا اور تجھکو ہر بلا سے بچا لیگا۔ (۵) تیرا نام آفتاب عالم کی طرح دنیا میں روشن ہو جاویگا۔ (۶) لوگ اس کثرت سے تیرے پاس آئیں گے کہ تُو تھک جاویگا۔ اور پھر خارق عادت طور پر ہر ایک وہم و گمان سے بالاتر تجھکو صبر و استقلال اور بُردباری سے کام لینا پڑا کرے گا۔ (۷) کثرت سے لوگ ہجرت کرکے قادیان آ رہیں گے اور اصحاب الصفہ کہلائیں گے۔ اب بتاؤ کہ کیا یہ پیشگوئیاں سب کی سب حرف بحرف پوری ہو چکی ہیں یا نہیں حالانکہ یہ تمام پیشگوئیاں ایسے زمانے میں کی گئی تھیں جبکہ قطعاً اُن کے پورا ہونے کا وہم و گمان بھی نہیں ہو سکتا تھا۔

کون نہیں جانتا۔ کہ مولویوں۔ مشائخوں۔ سجادہ نشینوں نے کیا کچھ نہیں کیا کہ وہ کسی طرح لوگوں کو روک دیویں کہ وہ اسکی طرف رجوع نہ کریں۔ کون نہیں جانتا کہ نہ صرف حضرت احمدؑ کو کافر کہا گیا بلکہ ہر ایک شخص کو جس نے اُسے قبول کیا مرتد اور تارک اسلام کے نام سے یاد کیا گیا۔ لیکن کیا اِن باتوں نے فی الواقع روک پیدا کر دی اور کسی نے حضرت احمدؑ کو مہدی اور مسیح تسلیم نہیں کیا؟ نہیں بلکہ واقعات نے بتا دیا۔ کہ اُن کی تمام مخالفتوں کے مقابلہ پر خدا کی مشیت کام کر رہی تھی۔ جس نے برق کا سا مقناطیسی کام کیا اور لاکھوں لاکھ لوگوں کے دلوں کے اندر حضرت احمدؑ کی قبولیت کو مضمر کر دیا۔

ہاں۔کون کہ سکتا ہے۔کہ حضرت احمدؑ کی ہلاکت اور بربادی کے سامان پیدا کرنے کیلئے ہر ایک ممکن سے ممکن طریق سے کام نہیں لیا گیا۔اور بعض مولویوں اور مشائخ نے **حضرت عیسٰیؑ کے زمانے کے علماء کی طرح** جھوٹ موٹھ باتوں سے گورنمنٹ کو اسکے برخلاف اُکسانے میں کوئی کسر اُٹھا رکھی اور دوسرے مولویوں نے یہ بتا بتا کر کہ یہ شخص تمھارے ایمان کو بگاڑتا اور تمھارے اعتقادات کو خراب کرنا چاہتا ہے جاہل مسلمانوں کو بھڑکانے کی کوشش نہیں کی۔لیکن اس کا نتیجہ کیا ہُوا۔کیا اُن کی کوششیں بار آور ہو گئیں کیا وہ کامیاب ہو گئے۔نہیں بلکہ الہام الٰہی کے ماتحت تمام کے تمام مخالف ذلت اور رسوائی کے شکار ہو کر ناکام رہے۔اگرچہ انہوں نے ناخنوں تک زور لگا دیا۔اپنا لہو پانی ایک کر دیا اور روپے کو پانی کی طرح بہا دیا کہ **اس یدِ قدرت سے سینچے ہوئے نئے پودے** کو ابتدا ہی میں جڑھ سے اُکھاڑ دیویں اور پھوٹنے سے پہلے ہی جھگڑا چکا دیویں مگر خدا کے زبردست ارادوں کے سامنے اُن کی کیا پیش جا سکتی تھی۔

غرض اللہ تعالیٰ کی مشیت کے بموجب وہ بیج جو حضرت احمدؑ نے بویا تھا۔آخرش ایک درخت بنگیا اور خدا کے فضل سے **اس عظیم الشان درخت نے بے شمار شاخیں نکالیں**۔اور باوصف اسکے کہ متعصب ملاؤں نے جنکی آنکھوں سے خون ٹپکتا تھا اور جو اپنے رنگ میں دیوانہ وار جوش رکھتے معلوم ہوتے تھے بیحد کوششیں کیں مگر کچھ نہ بنا اور حضرت احمدؑ کے مریدوں کی تعداد بڑھتی ہی گئی یہانتک کہ کئی لاکھ تک نوبت پہنچ گئی۔

نمبر۲۔میں بتایا گیا تھا۔کہ دُور دراز جگہوں سے مدد پہنچے گی۔کون نہیں جانتا۔کہ یہ پیشگوئی بھی کیسی صفائی سے پوری ہو گئی۔زیادہ تحقیقات کی ضرورت نہیں۔**ڈاک خانے کے** کاغذات ہی سے نہایت آسانی سے پتہ لگ سکتا ہے۔کہ حضرت احمدؑ کی عین حیات ہی میں کسقدر روپیہ اسکے غلام بھیجتے رہے ہیں۔**لکھوکھا روپے آ گئے**۔اور سینکڑوں کی تعداد میں روزمرہ آ رہے ہیں۔کیا لوگوں کے دلوں کو قبضہ میں لیکر اُن کو لکھوکھا روپے باقاعدہ طور سے بھیجنے پر مجبور کر دینا یہ بھی کسی انسان کے اختیار میں ہو سکتا ہے؟

تیسری پیشگوئی بھی کیسی عمدگی سے پوری ہو گئی۔کیا آپ کو معلوم نہیں کہ تمام اطراف

واکناف سے قادیان میں لوگ آتے ہیں اور بعض بعض ایام میں تو کئی کئی ہزار تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔ **ایسے مجمع ہائے کثیر کو دیکھکر کیا شانِ خدا یاد نہیں آتی**۔ قادیان اور اسکی پڑوس کے لوگ حیران ہیں۔ کہ خدایا یہ کیا معاملہ ہے۔ وہ کیسا عظیم الشان اور بابرکت انسان تھا۔ جس نے مختلف القوم۔ مختلف اللسان اور مختلف الملک لوگوں کو دور دراز مقامات سے کھینچکر ایک جگہ جمع کر دیا۔ **وہ نظارہ کیسا دلچسپ اور دلفریب ہوگا**۔ جبکہ ایک ناظر حضرت احمدؑ کے حضور ایک جاٹ اور ایک بنگالی بابو کو پہلو بہ پہلو بیٹھے دیکھتا ہوگا۔ اور جو ایک پٹھان اور ایک کشمیری کو ایک مدراسی اور ایک بمبئی کے باشندے کے پاس کھڑے پاتا ہوگا۔ اگر ایک شخص قادیان کے بازاروں میں اردو بولتا سنائی دیتا ہے تو دوسرا **پشتو** ہی بول رہا ہے۔ تیسرا **عربی** چوتھا **فارسی** ہی میں اپنا مطلب ادا کر رہا ہے۔ حضورؑ کے دیدار کے لیئے قادیان میں آنیوالوں میں سے اگر ایک افغانستان کا باشندہ ہے۔ تو دوسرا بلوچستان کا۔ تیسرا ایران کا۔ چوتھا روم کا۔ پانچواں مصر کا۔ چھٹا طرابلس کا۔ ساتواں انگلستان کا۔ آٹھواں امریکہ کا۔ علیٰ ہذا القیاس۔ پھر کیا یہ لوگ محض حضورؑ کی دیدار کے لیئے آتے۔ اور ایک دو روز ٹھہر کر چلے جاتے۔ نہیں بلکہ یہاں یہ لوگ دنوں۔ ہفتوں۔ مہینوں اور سالوں تک حضورؑ کی بابرکت صحبت سے مستفیض ہونے کے لیئے ٹھہرے رہتے اور اس طرح سے مہمان خانہ بھی اور لنگرخانہ بھی ہمیشہ اپنے **کثیر التعداد مہمانوں سے لبریز رہتا**۔ اس امر کے لیئے بھی زیادہ تحقیقات کی ضرورت نہیں۔ اگر گاؤں کے لوگوں کا اعتبار نہ ہو۔ تو **پولیس کی ڈائریوں سے** اس امر کا نہایت آسانی سے ثبوت مل سکتا ہے۔

نمبر ۳۔ میں دشمنوں کے حملوں سے حفاظت کا وعدہ تھا۔ یہ وعدہ کس طرح پورا ہوا اس کا حال اگر دریافت کرنا چاہو۔ تو نہایت آسانی سے عدالتوں کی کارروائی۔ اور نقولِ کاغذات سے معلوم ہو سکتا ہے۔ حضرت احمدؑ پر کئی حملے ہوئے۔ مگر خدا ہی ہر دفعہ اس کا حامی و ناصر بنا۔ اور اسکے دشمنوں کے حملوں کو پاش پاش کرتا رہا۔ کیا آپ خیال کرتے ہیں کہ یہ دشمن کسی ایک فرقے سے تعلق رکھتے تھے۔ نہیں۔ بلکہ ہر ایک فرقہ اور ہر ایک مذہب کے لوگ اسکے ساتھ عداوت رکھتے تھے۔ کیوں؟ اس کا بڑا کام صرف یہی تھا۔ کہ تمام مذاہب باطلہ کا استیصال کر کے اور شرک

اور اوہام پرستی سے دنیا کو خالص کر کے لوگوں کو ایک ملت حنیفہ پر جمع کرے۔ اسلیئے جہاں کہیں اور جس مذہب میں وہ کوئی غلطی اور نقص دیکھتا اسکی اصلاح کی خاطر فوراً حقیقت کے چہرے سے پردہ اُٹھا دیتا۔

پھر چونکہ ان مذاہب کے وُکلاء دلائل سے عاری ہونیکے باعث ان حملوں کا جواب دینے سے عاجز ہوتے اس لیئے اس سے پیچھا چھڑانے کی خاطر ارذل سے ارذل حرکات کا ارتکاب کرنے پر آمادہ ہو جاتے۔ ہم بہت سے واقعات کو چھوڑ کر یہاں ایک ہی مثال پر کفایت کرنا مناسب سمجھتے ہیں۔ پنجاب کے بعض عیسائی مشنریوں نے حضرت احمد پر **اقدام قتل** کا اس نظر سے جھوٹا مقدمہ بنایا۔ کہ حضرت ممدوح کو پھانسی کی سزا ہو کر مشنریوں کو ہمیشہ کے لیئے عرقِ خجالت میں ڈوبنے سے نجات مل جاوے۔ **مگر چونکہ محکمہ عالیہ رب العالمین سے یہ بات پہلے ہی فیصل ہو چکی تھی**۔ کہ حضرت احمدؑ ہر ایک دشمن کے حملوں سے قطعی محفوظ رہیں گے۔ اس لیئے اُس مقدمہ کا فیصلہ کرنے کے لیئے حاکم بھی وہ مقرر ہوئے **جو اپنی انصاف پروری میں بے مثل تھے** اور شریف اور نیکدل انگریز تھے۔ اس نیک مزاج انسان نے کامل تحقیقات کے بعد یہ قرار دیا کہ حضرت احمدؑ قطعاً بے گناہ ہیں اور اُنپر یہ مقدمہ محض افترا کے طور پر بنایا گیا ہے۔ لہذا حضرت احمد علیہ السلام کو بریت کا حکم سنا کر **سلطنت برطانیہ کی معدلت گستری کا ایک دائمی نشان قائم کر دیا** غیر مذاہب کے لوگ مثلاً عیسائی۔ ہندو وغیرہ تو چاہتے ہی تھے کہ کسی طرح حضرت احمدؑ کسی شکنجہ میں پھنس جاویں۔ خود مسلمان کہلانیوالوں نے فرق نہیں کیا۔ غرض دشمن تو ہر وقت موقعہ کی تاڑ میں رہتا ہی ہے اور موقعہ پا کر جو کچھ بھی کر گذرے تھوڑا ہوتا ہے۔ اور پھر وہ دشمن جو سمجھ چکا تھا کہ **یہ انہونی بات ہے** کہ حضرت احمدؑ کے دم سے انکو نقصان نہ پہنچے **پہنچے گا اور ضرور پہنچیگا**۔ زمانہ بھر میں اسکی تعلیم پھیل رہی ہے اور وہ ترقی کر رہا ہے۔ ایسے حریف سے بے پروا رہنا مشرق کے زبردست اصول دشمن نتوان حقیر و بے چارہ شمرد کی صریح تحقیر کرنا ہے۔ مگر اللہ کریم۔ ہر ایک شرارت کا ہمیشہ کافی انسداد کرتا رہا اور اپنے پیارے حضرت احمدؑ کو سخت سے سخت مصائب میں سے اپنے ہاتھ سے کھینچکر نجات دیتا رہا۔ تاکہ وہ لوگ جو چشم بصیرت رکھتے اور اس سے کام لینے کے عادی ہیں دیکھ لیں۔ کہ **اسلام کا خدا کیسا زبردست خدا ہے** اور کس طرح

وہ اپنے دوستوں کو مشکل سے مشکل اوقات میں مدد دیتا ہے۔

جس طرح سے کہ حضرت احمدؑ کے عدو اسکے ہاتھوں سے تنگ تھے اور چاہتے تھے کہ کسی طرح اُن سے سستے چھوٹ جائیں ٹھیک اُسی طرح یسوع کے دشمنوں نے بھی چاہا۔ کہ ایک دفعہ اسکی زندگی کا فیصلہ کردیویں تاکہ آئے دن اُسکے نصیحت آمیز کلمات سُننے سے نجات ملجاوے مگر جس طرح کہ حضرت احمدؑ کے دشمن اپنے حملوں میں سرسبز نہ ہوسکے اسی طرح یسوع کے دشمن بھی حقیقت میں کامیاب ہوئے مگر فرق صرف یہ تھا۔ کہ حضرت احمدؑ کی بریت نہایت عزت سے ہوئی اور بریت کے بعد اللہ تعالیٰ نے اُسکو توفیق دی کہ وہ اُس مشن کی نہایت عمدگی سے تکمیل کرے جس مشن کے پورا کرنے کے لیئے وہ دنیا میں بھیجا گیا تھا۔ برعکس اسکے یسوع دشمنوں کے منصوبے سے مرا تو نہیں مگر اسمیں بھی شک نہیں کہ دشمنوں کا اسپر پورا زور رہا اور نہایت ہی سخت سلوک اُس سے کیا گیا۔ صلیب پر لٹکایا گیا۔ اور میخیں اسکے ہاتھوں کے بیچ میں سے گذاری گئیں۔ اسقدر تکلیف اُٹھانی پڑی کہ آخر غشی کی نوبت پہنچ گئی۔ حتیٰ کہ مشابہ بالمیت ہوکر قبر میں لیٹا یا گیا۔ لاریب وہ دشمنوں کے منصوبوں سے موت کا شکار ہونے سے تو محفوظ رہا۔ پر اسمیں بھی شک نہیں کہ اسکے دشمن یہاں تک ضرور کامیاب ہوگئے تھے کہ انہوں نے اسکو لحد کے کنارے تک پہنچا دیا اسکے دشمن اپنی کامیابی پر نازاں تھے۔ اور بڑی بڑی ڈینگیں مارتے تھے۔ مگر اسجگہ یہ بات نہ تھی۔ خدائے تعالیٰ کی غیرت نے اس بات کو قبول ہی نہ کیا کہ حضرت احمدؑ اپنے دشمنوں کے ہاتھوں سے ذلّت اُٹھائیں۔ اسلیئے اس نے اپنے وعدوں کے موافق حضرت احمدؑ کے دشمنوں کو موقع ہی نہ دیا کہ وہ خوشی سے بغلیں بجاسکیں۔ اور اُن کو بہت شرمندہ ہونا پڑا۔

اب بتاؤ۔ اور خدا را خوب سوچکر بتاؤ۔ کہ کیا اس سے یہ نہیں ظاہر ہوتا کہ خدائے تعالیٰ کو یسوع ناصری کی نسبت حضرت احمدؑ کی زیادہ خاطر منظور تھی؟

یسوع کو ماننے والے اپنی مبالغہ آمیز تعریف و توصیف سے چاہے اسے خدا بنادیں اور چاہے خدا سے بھی بڑھکر اسکو عزت دیدیویں۔ یہ اُنکا اختیار ہے۔ مگر وہ ذرا ٹھنڈے دل سے سوچیں کہ واقعات کیا بتاتے ہیں۔

مسلمانوں۔ عیسائیوں اور ہندوؤں نے ملکر بھی کوششیں کیں اور علیحدہ علیحدہ بھی انہوں نے

ہاتھ پاؤں مارے کہ اگر حضرت احمدؑ کو کسی طرح پھانسی کی سزا نہ ہو سکے تو کم از کم جیلخانہ کی ہوا تو ایک دفعہ لے آئیں۔ مگر وہ خدا جو **رب الافواج** ہے وہ اخیر دم تک اپنے برگزیدہ اور محبوب احمدؑ کا ساتھ دیتا رہا۔ اور اسکے دشمنوں کو **زور آور حملوں** سے ہمیشہ پس پا کر کے اُنہیں قعرِ ذلت میں گراتا رہا۔

Digitized by Khilafat Library

پانچویں۔ چھٹے۔ اور ساتویں نمبر میں بتایا گیا تھا۔ کہ تیرا نام آفتابِ عالم کی طرح دنیا میں روشن کیا جاویگا۔ لوگ اس کثرت سے تیرے پاس آویں گے کہ تجھے تھکا دیا کرینگے۔ اور کثرت سے لوگ اپنے گھر بار کو چھوڑ کر ہجرت کر کے تیرے پاس آ رہینگے۔ یہ تینوں پیشگویاں ایسی صفائی سے پوری ہو چکی ہیں کہ کسی ثبوت کی قطعاً محتاج نہیں۔ آج سے ۳۶-۳۷ سال پہلے قادیان ایک گمنام گاؤں تھا۔ مگر آج دنیا بھر کے لوگ اُسکو جانتے ہیں۔ اور وہ اسقدر مشہور ہو گیا ہے۔ کہ صرف **قادیان ہند** لکھکر دنیا کے کسی حصے میں چٹھی پوسٹ کر دو۔ وہ چٹھی یقیناً نہایت آسانی سے قادیان پہنچ جاویگی۔ باقی رہیں زائرین اور مہاجرین کے متعلق پیشگوئیاں۔ اُسکے متعلق صرف اتنا ہی کہنا کافی ہے۔ کہ اگر شک ہو تو قادیان پہنچکر اپنی آنکھوں سے دیکھ لو کہ یہ پیشگویاں کیسی عمدگی سے پوری ہو چکی ہیں۔ اور کس طرح بیسیوں کی تعداد میں دُور دراز ممالک سے کھنچکر **روزمرہ** لوگ قادیان کی زیارت کے لئے آتے ہیں۔

ہم اس سے پہلے بیان کر چکے ہیں کہ یہ پیشگویاں جن کا اوپر ذکر ہُوا ہے **صدہا پیشگوئیوں میں سے چند ہیں**۔ جو حضرت احمد علیہ السلام نے اپنے خدا سے الہام پا کر قبل از وقت شائع فرمادی تھیں۔ اور یہ ایسے وقت کی پیشگویاں ہیں جبکہ وہ اپنی چھوٹی سی اور تنگ و تاریک کٹھیا میں نہایت تنہائی کی زندگی بسر کیا کرتے تھے۔

ہاں۔ سوچو۔ کہ حضرت احمدؑ کی وہ گمنامی کیحالت دیکھکر جبکہ وہ اپنی تنگ و تاریک کوٹھڑی میں ایک الگ تھلگ زندگی بسر کیا کرتے تھے **کون کہہ سکتا تھا** کہ لوگ ایک ایسے گاؤں میں جو ایک گمنام۔ ریلوے سٹیشن سے بہت دُور۔ اور راستے سے ہٹ کر بالکل ایک طرف واقعہ ہے دُور دراز ممالک سے آئیں گے۔ اور **ایک نہیں دو نہیں ہزاروں اور لاکھوں کی تعداد میں آوینگے اور آتے رہیں گے**۔ کون خیال کر سکتا تھا۔ کہ مختلف العقائد۔ مختلف اللسان مختلف الممالک

مختلف الآرائے۔ اور مختلف الاقوام لوگ قادیان میں آکر ایک ہوجاویں گے اور بھائی بھائی بنکر قادیان کو مستقل رہائیش کی جگہ بنالیں گے۔ ہاں یہ کس کو گمان تھا۔ کہ ایک انسان جو اپنے گھر کی ایک تنگ و تاریک کوٹھڑی میں رہا کرتا ہے اور اپنے گاؤں کے لوگوں سے بھی واقفیت رکھنے کا دم نہیں بھرسکتا۔ آفتاب عالم کی طرح دنیا میں مشہور ہوجائیگا۔ ہاں کس کے وہم میں یہ بات آسکتی تھی کہ قادیان سے ایک چشمۂ شیریں پھوٹ نکلیگا۔ جسپر ہزارہا لوگ اپنی پیاس بجھانیکے لیئے دُور دراز مقامات سے دوڑ دوڑ کر آئیں گے۔ کیا حضرت میرزا صاحب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے امکان میں تھا کہ وہ اِن تمام باتوں کو پورا کر دیتے۔

ہماری حیرت اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ جب ہم دیکھتے ہیں کہ باوجود اسکے کہ وہ محبوب حضرت احمد علیہ السلام آنجہانی چھ سال سے ہم سے جُدا ہوکر واصل الی اللہ ہوچکے ہیں۔ مگران پیشگوئیوں کی تکمیل میں کوئی فرق نہیں آیا۔ لوگ اُسی طرح قادیان میں آتے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت اسی طرح اس سلسلے کے لیئے کام کررہی ہے جس طرح حضرت علیہ السلام کی زیست میں کیا کرتی تھی۔ دن بدن زائرین کی تعداد زیادہ ہوتی جاتی ہے ہر ایک پہلو سے ترقی ہورہی ہے مختلف حصص دنیا میں ابھی تک حضرت احمدؑ کی بعض پیشگوئیاں نہایت صفائی سے پوری ہورہی ہیں۔ سو اگر کوئی چاہے تو آج بھی حضرت احمدؑ کی پیشگوئیوں کو اپنی آنکھوں سے پورا ہوتا دیکھ سکتا ہے اور ہمارا ایمان ہے۔ کہ آیندہ آنیوالی نسلیں بھی ہمیشہ دیکھتی رہیں گی کہ وہ تمام الہامات اور کلمات جو براہین احمدیہ میں لکھے جاچکے ہیں۔ جسکو تصنیف ہوئے بھی ۳۴ سال ہوچکے ہیں۔ اپنے اپنے اوقات پر کیسی صفائی سے پورے ہوتے رہتے ہیں

پیارے ناظرین۔ اب آپ سوچیں۔ کہ کیا یہ تمام باتیں اس مقدس انسان حضرت احمدؑ قادیانی کے اختیار میں تھیں کہ اپنی پیشگوئیوں کے مطابق واقعات کو پورا کرکے دکھادیتا؟ اگر یہ نہیں تھا۔ اور یقیناً ایسا نہیں ہوسکتا تھا۔ تو پھر بتاؤ۔ کہ ایک ایسا انسان جو سالہا سال پہلے خدا تعالیٰ سے خبر پاکر صدہا امور کی بابت پیشگوئی کرتا ہے۔ اور پھر وہ تمام امور اپنے اپنے وقت پر اگر اسی طرح ہو بھی جاتے ہیں۔ اسے کیوں نہ نبی کہا جائے۔ جبکہ خود خدا نے اُسے نبی کہا۔ اور ارشاد فرمایا۔ کہ میرے بندو نکو کہدو کہ وہ بھی تمھیں نبی کہکر پکارا کریں۔ یہ ارشادِ خداوندی ہے۔ ہم کون ہیں۔ جو اسکی حکم

حکم خلاف ورزی کی جرأت کرسکیں۔ اللّٰھم صل علیٰ محمد و علیٰ خلفاء محمد و بارک وسلم۔

محمد طفیل احمدی عفی اللہ عنہ از بٹالہ ضلع گورداسپور

سلسلہ سنوسیہ

سلسلہ سنوسی کی نسبت بہت سی غلط فہمیاں پھیلی ہوئی ہیں اسلیئے مناسب ہے کہ اس سلسلہ کی ابتداء۔ اور اغراض سے ناظرین کو مطلع کیا جاوے۔ اس سلسلہ کے ایک رکن احمد عبداللہ نے رسالہ فورم میں بانی سلسلہ کے حالات اور عقائد شائع کیئے ہیں جن کو ناظرین کی اطلاع کے لیئے ذیل میں نقل کیا جاتا ہے:۔

سلسلہ سنوسیہ کی بناء محمد بن سنوسی الخطابی۔ الحسنی۔ الادریسی المدجہیری نے ۱۲۵۰ھ ہجری مطابق ۱۸۳۵ء میں ڈالی۔ جو بعد میں شیخ سنوسی کے نام سے مشہور ہوا۔ شیخ سنوسی ۱۲۰۶ھ (دسمبر ۱۷۹۱ء) میں ملک مراکش میں پیدا ہوئے۔ آپ اولاد سیدی عبداللہ بن الخطابی المدجہیری کے قبیلہ میں سے تھے جو عربوں کا ایک قبیلہ ہے۔ اور عرصہ دراز سے علیل قوم کے علاقہ میں آباد ہے۔ آپ ذات کے سید تھے۔ اور ابتدائی عمر میں ہی آپ کی ذہانت و قابلیت کے آثار نظر آتے تھے۔ آپ جلدی ہی اپنے علاقہ میں صرف و نحو تفسیر اور فقہ کے علم کی وجہ سے مشہور ہو گئے۔ تیس سال کی عمر میں آپ شہر مراکش میں تشریف لیگئے۔ اور ۱۸۲۹ء میں آپ حج کے لیئے مکہ معظمہ کی طرف روانہ ہوئے۔ آپ شمالی افریقہ میں سے گذرتے ہوئے راستہ میں وعظ و نصیحت کرتے آئے۔ لیکن مکہ معظمہ کے باشندے علماء اور اہل سیاست آپ کے مخالف ہو گئے اور آپ مکہ سے نکلنے کے لیئے مجبور کیئے گئے۔

افریقہ میں واپس آکر آپنے وہ کام شروع کیا جو آپ کی زندگی کا حقیقی اور اصل کام کہا جاسکتا ہے۔ البیداء میں آپنے درس گاہ قائم کی۔ اور اسی جگہ سے آپکی شہرت کا نشوونما شروع ہوا۔ تمام افریقہ اور ایشیاء سے آپ کے پاس شاگرد جمع ہونے شروع ہو گئے۔ اور اسی جگہ آپنے بہت سی کتابیں تصنیف کیں جو تمام مسلمانوں میں عزت کی نظر سے دیکھی جاتی ہیں۔ رفتہ رفتہ آپ کا یہ کام زیادہ وسیع اور مضبوط ہوتا گیا۔ اور تمام اطراف میں پھیلنا شروع ہو گیا۔ چنانچہ آپنے طرابلس۔ جنوبی ٹیونس۔ مراکش مصر عرب اور سوڈان میں کئی درس گاہیں قائم کیں۔ اور جن جن علاقوں میں آپنے درس گاہیں قائم کیں۔ وہاں آپکا بڑا رسوخ قائم ہو گیا۔ آپنے اپنے شاگرد واعظ بناکر افریقہ کے دور دراز علاقوں میں بھیجے جہاں افریقہ کے حبشیوں نے اسلام قبول کرنا شروع کیا۔

شیخ سنوسی نے ۱۸۵۹ء میں وفات پائی۔ آپ کے عقائد بعینہٖ وہی تھے۔ جو قدیم صوفیاء کے عقائد ہیں۔ آپنے اسلام میں کوئی نئی بات (بدعت) داخل نہیں کی اور نہ آپنے کوئی تجدید یا اصلاح کی (یہ شیخ سنوسی کے مرید احمد عبداللہ کے اپنے الفاظ کا لفظی ترجمہ ہے ایڈیٹر) آپ کے شاگرد وہابیوں کی طرح تنگ دل مُلّا نہیں ہیں۔ اُنکی تعلیم وہی ہے جو قرآن شریف اور سُنّت کی تعلیم ہے۔ یہ لوگ بعد کی تمام بدعتوں اور الحادوں کے مخالف ہیں۔ اُنکی تعلیم کے تین بڑے حصہ ہیں اوّل قرآن شریف پر عمل کرنا۔ دوم قدیمی صوفیاء کے عقائد۔ سوم امامت یعنی تمام مسلمان کا ایک امام ہونا چاہیئے۔ جو انکا مطاع ہو۔ (ہمارے احمدی احباب (غیر مبایعین) شیخ سنوسی کی اس تعلیم پر غور فرماویں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کلمۃ الحکمۃ ضالۃ المومن اخذھا حیث وجدھا۔ شیخ سنوسی تمام مسلمانوں کے لیئے ایک امام کا ہونا ضروری سمجھتے ہیں مگر بعض ہمارے بھائی ہیں جو احمدی جماعت کے لیئے بھی امام کی ضرورت نہیں دیکھتے۔ افسوس آنکھوں پر کیسے پردے پڑ گئے ہیں اور سمجھ میں کیسا فرق آ گیا۔ ایک بیّن اور کُھلی کُھلی بات سے بھی انکار ہے۔ ایڈیٹر)

سپین کے مُسلمانوں سے مسیحیوں نے کیسا سلوک کیا

مسیحی صاحبان کو اپنی کارروائیاں بھول جاتی ہیں اور مسلمانوں پر اعتراض کرتے ہیں کہ انہوں نے جبر سے لوگوں کو اسلام میں داخل کیا۔ ان بزرگوں کو اگر اپنی کارروائیوں کا کچھ خیال ہو تو اسلام پر کبھی جبر کا اعتراض نہ کریں بلکہ مارے شرم کے کبھی اپنا سر بھی اونچا نہ کریں۔ سپین کے اخبار اسپانا ماڈرنا کے پڑھنے سے (جس کا اقتباس ریویو آف ریویوز بابت مئی ۱۹۱۴ء میں صفحہ ۴۸۴ پر دیا گیا ہے) معلوم ہوگا کہ مسیحی صاحبان نے مسلمانوں کے ساتھ کیسا سلوک کیا۔ اخبار مذکور لکھتا ہے کہ شاہ سپین اور ملکہ سپین نے حلف کے ساتھ یہ عہد کیا تھا کہ مسلمانوں پر کوئی جبر نہیں کیا جائیگا اور یہ اُمید کی گئی تھی کہ آہستہ آہستہ یہ لوگ مسیحی مذہب میں داخل ہو جائیں گے۔ لیکن اُس ملک کے مسیحی ایسے سرگرم مسیحی تھے کہ وہ اتنی دیر تک صبر نہیں کر سکتے تھے۔ اسلیئے انہوں نے بادشاہ اور ملکہ کی قسم کو اس طرح پورا کیا کہ مسلمانوں سے نہایت سختی سے سلوک کرنا شروع کر دیا اور جبر سے

انکو بپتسمہ دیا اور بے شمار کتابیں نہایت بیرحمی سے جلادیں۔ یہ کتابیں اگر اسوقت موجود ہوتیں تو علم تاریخ کا ایک بیش بہا خزانہ تصور کی جاتیں۔

اس سلوک کے ساتھ جو مسیحیوں نے مسلمانوں کے ساتھ کیا اُس حُسن سلوک اور مذہبی آزادی کا مقابلہ کرو جو سپین کے مسیحیوں کو مسلمان فاتحین کی طرف سے حاصل تھی۔ مسیحی خود اس بات کے مقر ہیں کہ مسلمان فاتحوں نے اپنی مسیحی رعایا سے نہایت ہی کریمانہ اور فیاضانہ سلوک کیا اور اُنکو پوری مذہبی آزادی دی لیکن مسیحی لوگ ایسے محسن کُش ثابت ہوئے کہ مسلمانوں جیسی مُحسن قوم کے ساتھ نہایت قابل شرم سلوک کیا۔ اور اُنکو جبراً بپتسمہ دیا۔ اس سے بڑھکر قابل افسوس بات یہ ہے کہ اب بھی باوجود ایسی کارروائیوں کے مسیحی صاحبان کو مسلمانوں پر یہ اعتراض کرتے ہوئے شرم نہیں آتی کہ مسلمانوں نے جبر سے لوگوں کو اسلام میں داخل کیا۔ یوُرپ خود مسلمانوں کی بُردباری مذہبی آزادی اور کریمانہ فیاضی کا گواہ ہے مگر تعجب ہے کہ باوجود اس علم کے یوُرپ کے لوگ ہی سب سے بڑھ کر اسلام پر جبر کا اعتراض کرتے ہیں۔ اگر مسلمان جبر سے لوگوں کو اسلام میں داخل کرتے تھے تو سپین میں ایسا کیوں نہ کیا۔ مسیحی صاحبان! کچھ تو انصاف کرنا چاہیئے۔ کچھ تو اپنے گریبان میں مُنہ ڈالکر اپنے حال کا مطالعہ کرنا چاہیئے۔ کیا مسیحیوں نے مذہب کے لیئے جو جو خونریزیاں کی ہیں اور جو تعصب اور مذہبی جنون دکھایا ہے اور جس کا اسوقت تک بعض مسیحی صاحبان ثبوت دے رہے ہیں اسکی نظیر کسی اور مذہب میں دیکھی جاتی ہے۔ اسوقت بھی جو اسلام پر بیجا اعتراض کیئے جاتے ہیں انکا سرچشمہ بھی دراصل وہی ضد اور تعصب ہے جو اسوقت قلم کے رنگ میں ظاہر ہوتا ہے۔ اور بلقان۔ طرابلس اور ایران میں تلوار کے ذریعہ بھی ظاہر ہو چکا ہے۔ مسیحیوں میں مذہبی تعصب اور عداوت اسقدر بڑھے ہوئے ہیں کہ نہ صرف غیر مذاہب کے ساتھ سلوک کرتے وقت یہ صفات وحشیانہ رنگ میں ظاہر ہوتے رہے ہیں بلکہ باہم بھی مسیحی فرقوں نے ایک دوسرے کے ساتھ نہایت ہی خطرناک بیرحمی اور خوں ریزی کا سلوک کیا ہے اور یورپ اور امریکہ کی تاریخ اسکی گواہ ہے جسکے صفحات ان حالات سے سُرخ نظر آتے ہیں۔ لیکن سخت حیرت آتی ہے کہ باوجود انکے گھر میں یہ حالت ہے اور باوجود اسکے کہ وہ یوُرپ میں مسلمان فاتحین کا نمونہ اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے ہیں پھر بھی اسلام پر ہی جبر اور مذہبی خونریزی کا جھوٹا الزام لگاتے ہیں۔ جو لوگ خود شیشوں کے

سلسلۂ تبلیغ

تبلیغ کا کام خدا کے فضل و کرم سے بڑے اعلیٰ پیمانہ پر انجام پا رہا ہے۔ واعظین اور مبلغین کے خطوط امید افزا اور دل خوش کن آرہے ہیں۔ اسوقت ہندوستان اور پنجاب کے مختلف مقامات میں حضرت خلیفۃ المسیح ثانی کی ہدایات کے ماتحت بہت سے مبلغ کام کررہے ہیں۔ جناب مفتی محمد صادق صاحب کی معرفت چند دن ہوئے کہ عیسائیوں نے اسلام قبول کیا ہے۔ اب جناب مفتی صاحب کٹک سے اپنے تازہ خط میں تحریر فرماتے ہیں۔ کہ یہاں ایک مسلمان عبد الرحمٰن نام سے اتفاقاً واقفیت ہوگئی تھی۔ کل اس نے بیعت کی۔ اور احمدی ہوا۔ جو سعید آدمی ہے۔ اور دوسروں کو بھی احمدیت کی تحریک کرتا ہے۔ کل ایک اور بنگالی نوجوان بنام کالی کرشنا ساکن سنتوش پور کلکتہ سے ایک لمبی گفتگو کے بعد پیغام صلح اتحاد میں شامل ہوا اور حضرت خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت احمد جری اللہ فی حلل الانبیاء کی نبوت کا تحریری اقرار میری نوٹ بک پر کیا فالحمد للہ۔ مولوی محمد اسمٰعیل صاحب مولوی فاضل موضع رجوعہ ضلع گجرات سے تحریر فرماتے ہیں۔ کہ وعظ ہوا اور بیس بائیس ایسے آدمیوں نے بیعت کی جو کہ پہلے احمدی نہیں تھے۔ مولوی عبد الصمد صاحب علاقہ وسط ہند میں۔ چودھری بدر بخش صاحب راجپوت راجپوتانہ میں۔ مولوی محمد سعید الحسن صاحب صوبہ بہار میں۔ مولانا مولوی عبد الواحد صاحب بنگال میں۔ مولوی عبد الرحمٰن صاحب مدرسہ احمدیہ کے پاس شدہ طالب علم ضلع گورداسپور میں۔ شیخ غلام احمد صاحب و خلاسفر صاحب کانگڑہ کے مضافات میں۔ شیخ عبد الرب صاحب نومسلم ضلع لائل پور میں کام کررہے ہیں۔ جو کہ بہت مفید ثابت ہو رہا ہے۔ مبلغین کی رپورٹیں باقاعدہ آرہی ہیں۔ ہندوستان کے علاوہ ممالک غیر میں بھی خدا کے فضل سے تبلیغ کا سلسلہ جاری ہے۔ سید ولی اللہ شاہ صاحب بیروت (شام) سے تحریر فرماتے ہیں۔ کہ "مجھے شیخ ہاشم بار بار کہتا ہے۔ کہ حضرت مسیح موعودؑ کی کتب منگواؤ۔ میں ترجمہ کرنے میں مدد دونگا۔ حضورؑ کو مجدد کے لفظ سے پکارتا ہے۔ کوئی دن نہیں جاتا۔ کہ میں حضورؑ کا ذکر اسکے سامنے نئے رنگ میں پیش نہیں کرتا۔ کل ہی ایک بڑی دعوت میں اس نے مجھے ان الفاظ سے

انٹروڈیوس کرایا کہ "یہ حضرت غلام احمد رضی اللہ عنہ کے فیض یافتہ لوگوں سے ہیں۔ میرے لیئے اس آفندی کا وجود ان کے صدق دعویٰ پر کافی ثبوت ہے۔ بخدا اگر میری ماں۔ بیوی بچے نہ ہوں۔ تو آج ہی قادیان چلا جاؤں پھر خود ہی اس نے حضورؑ کے الہامات کا ذکر سنایا۔ یہاں بیروت میں سب سے بڑھ کر عالم اور عمدہ اخلاق کا انسان اور فصیح اللسان ہے۔

چودھری فتح محمد صاحب نے لنڈن میں خالص احمدیت کی تبلیغ کا کام شروع کر دیا ہے۔ اور ایک انگریز خاتون سلسلہ احمدیہ میں داخل بھی ہو چکی ہے اور چودھری صاحب نے وہاں انجمن احمدیہ کی بنیاد بھی ڈال دی ہے۔ جو کہ امید ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ مفید ثابت ہوگی۔ دیہاتوں میں سکول کھولے جا رہے ہیں۔ اور آٹھ سکول کھل چکے ہیں۔ مبلغین کی دونوں جماعتیں باقاعدہ طور پر تیاری میں مصروف ہیں۔ ہفتہ میں دو دفعہ ان کو لیکچروں کی مشق کرائی جاتی ہے۔

ریویو

نورِ خلافت مولوی نعمت اللہ صاحب گوہر سیکنڈ ماسٹر مزنگ۔ لاہور نے اس نام کا ایک رسالہ ۱۶ صفحہ کا شائع کیا ہے۔ جس میں سورہ نور کی آیت استخلاف کی تفسیر بڑے عمدہ پیرائے میں کر کے خلافت احمدیہ کو ثابت کیا ہے۔ اور مخالفین خلافت کے ان استدلال کا جو وہ اس آیت سے پیش کرتے ہیں۔ بہت احسن طور پر ردّ کیا ہے۔ اور بہت سے لطیف نکات بھی بیان فرمائے ہیں۔ احباب اسکو خرید کر مستفیض ہوں۔ قیمت فی جلد ۱ر اور بیس جلد کی ایک روپیہ۔

البلاغ یہ ایک ماہواری رسالہ ہے۔ جو دالریاست مالیر کوٹلہ سے اسلامی معاشرت اور علوم اور طبقہ نسواں کے ہر قسم کے حقوق کی حمایت کرنے کی

غرض سے شائع کیا گیا ہے۔ مضامین کی بندش اور عبارت کی آراستگی کو دیکھکر اُمید کیجاتی ہے۔ کہ یہ رسالہ بہت جلدی ملک کے معزز رسالوں کی صف میں جگہ پالے گا۔ وہ شوقین جو مذہبی اور معاشرتی رسالوں میں زبان کی برجستگی اور چستی کے دلدادہ ہیں۔ اس رسالہ سے حظ اُٹھائیں۔

رپورٹ ماہوار بابت ماہ جون سنہ ۱۹۱۴ء صدر انجمن احمدیہ قادیان

صیغہ اشاعت اسلام:۔ تعداد خریداران ریویو انگریزی میں گذشتہ ماہ سے ۶۳ کی زیادتی اور ریویو اُردو میں دس کی کمی ہوئی۔

ریویو حضرت مسیح موعودؑ نے جاری کرائے اور خود اپنے قلم مبارک سے اس رسالہ کی ترقی اور بہبودی کے لیئے تحریک کی اور اشاعت اسلام کا اس زمانہ میں ایک عمدہ ذریعہ قرار دیا۔ اور اپنی اغراض میں سے اسے ایک غرض فرمایا۔ اور اپنی خواہش ظاہر فرمائی کہ اس کا دس ہزار خریدار پیدا ہو جائے گو یہ بات آپ کی زندگی میں نہیں ہوئی مگر اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ کسی وقت اپنے پیارے اور برگزیدہ کے دہن مبارک سے نکلی ہوئی بات کو پورا کر دکھائے وہ بڑا قادر ہے۔ دلوں کا وہی مالک ہے۔

چنانچہ آپ فرماتے ہیں۔ کہ "خدائے تعالیٰ کی اصل غرض مجھے بھیجنے کی اسلام کے متعلق عیسائی مذہب نے جو غلطیاں پھیلائی ہیں ان کو دور کرنا ہے۔ جس کا نام کسر صلیب ہے۔ اس غرض کے پورا کرنے کے لیئے رسالہ ریویو جاری کیا گیا ہے۔ **اگر خدانخواستہ یہ رسالہ کم توجہی اس جماعت کے بند ہو گیا۔ تو یہ واقعہ اس سلسلہ کے لیئے ایک ماتم ہوگا**" پھر آپ اس کی امداد میں یوں قمطراز ہیں

کہ "جو شخص ایسی ضروری مہمات میں مال خرچ کرے گا۔ میں امید نہیں رکھتا کہ اس مال کے خرچ سے اسکے مال میں کچھ کمی آجائے گی۔ بلکہ اسکے مال میں برکت ہوگی۔ پس خدا پر توکل و بھروسہ کرکے اخلاص اور جوش اور ہمت سے کام لیں کہ یہی وقت خدمت گذاری کا ہے۔ اور اگر تم اسقدر خدمت بجالاؤ کہ اپنی غیر منقولہ جائدادوں کو اس راہ میں بیچ دو پھر بھی ادب سے دُور ہوگا کہ تم خیال کرو۔ کہ ہم نے کوئی خدمت کی ہے"۔

اس ارشاد کی تعمیل میں بعض جان نثاروں نے خود بھی اپنے نام ریویو جاری کیئے۔ اور دیگر احباب کے نام جاری کرائے۔ اور بڑا ثواب حاصل کیا لیکن اب یہ معلوم ہونے پر سخت افسوس ہوا ہے۔ کہ بعض لوگوں نے ریویو بند کرنے کو لکھا ہے۔ جس کی وجہ اختلاف خلافت یا اگر کسی شخص نے پیغام صلح بند کر دیا ہے تو اس کا بدلہ معلوم ہوتا ہے۔ ایسے لوگوں کی آگاہی کے لیئے لکھا جاتا ہے کہ ریویو بند کرانے سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے حکم کی صریح مخالفت ہے۔ جو شخص حضرت صاحب کے حکم کی قدر کرتا ہے اس کا دل کس طرح گوارہ کرتا ہے۔ کہ کسی اختلاف کی وجہ سے پرچہ بند کرائے۔ اور نہ ہی پیغام صلح کے بند ہونے کے مقابلہ میں ریویو بند ہونے سے معاوضہ ہو سکتا ہے۔ اس لیئے بند کرانے سے اول غور کرنا چاہیے کہ اس کام کا نتیجہ کیا ہوتا ہے۔

اس ماہ حضرت خلیفۃ المسیح ثانی نے پچاس انگریزی رسالہ ولائیت میں پانچ قاہرہ میں اور پانچ بیروت میں قیمتاً بغرض اشاعت اسلام جاری کرائے۔ جزاہ اللہ خیراً

صیغۂ تعلیم۔ ۱۹ مدرسین ہیں۔ جو مدرسہ میں کام کرتے ہیں۔ جنمیں سے دو بی۔ ٹی ہیں اور دو بی۔ اے کا امتحان دیکر آئے ہیں۔ خدا کرے کامیاب ہو جائیں۔ مذکورہ عملہ میں سے سات مدرسین بی۔ اے ہیں۔ اور نو ٹرینڈ ہیں۔ اور تین سرٹیفکیٹڈ لوئر پرائمری ہیں۔

تعداد طلباء ۴۳۰ ہیں۔ جنمیں سے ۸ طلباء ایسے ہیں۔ جنکو سرکاری وظیفہ ملتا ہے۔

تعداد بورڈران ۱۲۳ ہے۔

اس دفعہ ۱۲ اُمیدواران سے ۷ طلبا رسالانہ امتحان انٹرنس میں کامیاب ہوئے۔

مسیح موعودؑ کا ذکر ولایت کے اخبارات میں

(چودھری فتح محمد صاحب نے حضرت مسیح موعودؑ کی بلقان کی پیشگوئی کے پورا ہونیکا اعلان کیا ہے۔ ہم ذیل میں اُسکا ترجمہ کردیتے ہیں)

خواجہ کمال الدین صاحب نے مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کی ایک پیشگوئی کے متعلق ایک اخبار مورخہ ۱۴- دسمبر ۱۹۱۲ء میں ایک مضمون شائع کیا تھا

یہ پیشگوئی ایک حیرت انگیز طریق سے پوری ہوگئی ہے۔ ابتداء میں اس پیشگوئی کا اعلان عربی میں جس زبان میں یہ الہاماً نازل ہوئی تھی ۱۹۰۴ء میں شائع کیا گیا تھا۔ اور اُس کا لفظی ترجمہ یہ ہے۔ "ترک ایک قریب کی زمین میں شکست کھائیں گے۔ لیکن شکست کھانے کے بعد جلد تر غالب ہوجائیں گے"۔ یہ پیشگوئی جو ۱۹۰۴ء میں کی گئی تھی۔ اپنے پورا ہونے سے آٹھ سال پہلے ان چار باتوں کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ یعنی جنگ کا ہونا اسکا مقام ترکوں کی شکست اور آخر کار پھر انکی فتح۔ یہ بات کہدینی آسان تھی۔ خواہ ۱۹۰۴ء میں ہی کیوں نہ کہی جاتی۔ کہ ترکوں کو کوئی جنگ پیش آئیگی۔ لیکن یہ بات قبل از وقت بتا دینی بالکل ناممکن تھی۔ کہ جنگ کا میدان کونسا ہوگا۔ اور پھر فریقین کے بدلنے والے حالات کا قبل از وقت بتا دینا اور بھی مشکل تھا۔ اس وقت بھی جبکہ جنگ شروع ہوئی ہے۔ کوئی شخص قیاس نہیں کرسکتا تھا۔ کہ ترک چھوٹی چھوٹی بلقانی ریاستوں کے ہاتھوں ایسی خطرناک شکست کھائیں گے اور پھر اپنے دار الخلافہ کے قرب میں ترکوں کی نہ دبنے والی فوج تھریس میں اس طرح پراگندہ کردی گئی۔ کہ سلطان کو یہ خیال پیدا ہوگیا۔ کہ وہ اپنا پایہ تخت قسطنطنیہ سے بروسہ کو بدل دے۔ لیکن اس پر جنگ کا خاتمہ نہیں ہوا۔ ترکوں نے شتلجہ کے مورچوں کے پیچھے مضبوط قدم جمالیا۔ اور آگے بڑھنے والے بلغاریوں کو ایسے سخت نقصان پہنچائے۔ کہ بلغاریوں کے دماغ سے یہ خیال بالکل نکل گیا۔ کہ وہ ترکوں کی فوج کو شکست دے کر شتلجہ کے مورچوں پر قبضہ کرلیں۔ اور اسے قسطنطنیہ کی طرف دھکیل دیں + اس حال میں بھی کہا جاسکتا تھا۔ کہ یہ پیشگوئی پوری ہوگئی ہے۔ لیکن ترکوں کے ایڈریانوپل پر دوبارہ قبضہ کرلینے کی وجہ سے یہ اور بھی مکمل طور سے پوری ہوئی۔ ابتداء جنگ سے ریاست ہائے بلقان کی متحدہ فوجیں ایڈریانوپل فتح کرنیکے لیئے پورا زور خرچ کررہی تھیں۔ کیونکہ یہ شہر قسطنطنیہ کی کنجی ہے۔ اور جبکہ ایک لمبی اور مستقل جدوجہد کے بعد ترکوں نے اسے دشمن کے سپرد کردیا۔ تو کسی شخص کو وہم و گمان بھی نہ تھا۔ کہ یہ شہر پھر بھی کبھی ترکوں کی سلطنت کا حصہ بنے گا۔ لیکن جنگ کے ترازو نے ایک لو حرکت کی اور متحدہ ریاستوں میں جھگڑا ہوگیا۔ اور اس سے ترکوں کو ایڈریانوپل اور بعض دوسرے ضروری مقامات کے دوبارہ فتح کرنیکا موقعہ مل گیا۔ جن مقامات سے انہیں بلغاریوں نے چند روز پہلے مار کر ہٹا دیا تھا۔ ترک انجام کار فاتح ثابت ہوئے۔ اور اس طرح وہ الہام جو احمد قادیانی کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوا تھا۔ پورا ہوا۔ (فتح محمد سیال۔ ایم۔ اے۔ قادیانی ہند)

مسیح موعودؑ کا ذکر ولایت کے اخبارات میں

(چودھری فتح محمد صاحب نے حضرت مسیح موعودؑ کی بلقان کی پیشگوئی کے پورا ہونیکا اعلان کیا ہے۔ ہم ذیل میں اُسکا ترجمہ کر دیتے ہیں)

خواجہ کمال الدین صاحب نے مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کی ایک پیشگوئی کے متعلق ایک اخبار مورخہ ۱۴۔ دسمبر ۱۹۱۲ء میں ایک مضمون شائع کیا تھا

یہ پیشگوئی ایک حیرت انگیز طریق سے پوری ہوگئی ہے۔ ابتداء میں اس پیشگوئی کا اعلان عربی میں جس زبان میں یہ الہاماً نازل ہوئی تھی ۱۹۰۴ء میں شائع کیا گیا تھا۔ اور اُس کا لفظی ترجمہ یہ ہے۔ "ترک ایک قریب کی زمین میں شکست کھائیں گے۔ لیکن شکست کھانے کے بعد جلد تر غالب ہو جائیں گے"۔ یہ پیشگوئی جو ۱۹۰۴ء میں کی گئی تھی۔ اپنے پورا ہونے سے آٹھ سال پہلے ان چار باتوں کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ یعنی جنگ کا ہونا اسکا مقام ترکوں کی شکست اور آخرکار پھر انکی فتح۔ یہ بات کہدینی آسان تھی۔ خواہ ۱۹۰۴ء میں ہی کیوں نہ کہی جاتی۔ کہ ترکوں کو کوئی جنگ پیش آئیگی۔ لیکن یہ بات قبل از وقت بتا دینی بالکل ناممکن تھی۔ کہ جنگ کا میدان کونسا ہوگا۔ اور پھر فریقین کے بدلنے والے حالات کا قبل از وقت بتا دینا اور بھی مشکل تھا۔ اس وقت بھی جبکہ جنگ شروع ہوئی ہے۔ کوئی شخص قیاس نہیں کر سکتا تھا۔ کہ ترک چھوٹی چھوٹی بلقانی ریاستوں کے ہاتھوں ایسی خطرناک شکست کھائیں گے۔ اور پھر اپنے دار الخلافہ کے قرب میں ترکوں کی نہ دبنے والی فوج تھریس میں اس طرح پراگندہ کر دی گئی۔ کہ سلطان کو یہ خیال پیدا ہو گیا۔ کہ وہ اپنا پایۂ تخت قسطنطنیہ سے بروسہ کو بدل دے۔ لیکن اس پر جنگ کا خاتمہ نہیں ہوا۔ ترکوں نے شتالجہ کے مورچوں کے پیچھے مضبوط قدم جما لیا۔ اور آگے بڑھنے والے بلغاریوں کو ایسے سخت نقصان پہنچائے۔ کہ بلغاریوں کے دماغ سے یہ خیال بالکل نکل گیا۔ کہ وہ ترکوں کی فوج کو شکست دے کر شتالجہ کے مورچوں پر قبضہ کر لیں۔ اور اسے قسطنطنیہ کی طرف دھکیل دیں۔ اس حال میں بھی کہا جا سکتا تھا۔ کہ یہ پیشگوئی پوری ہو گئی ہے۔ لیکن ترکوں کے ایڈریانوپل پر دوبارہ قبضہ کر لینے کی وجہ سے یہ اور بھی مکمل طور سے پوری ہوئی۔ ابتداء جنگ سے ریاست ہائے بلقان کی متحدہ فوجیں ایڈریانوپل فتح کرنیکے لیئے پورا زور خرچ کر رہی تھیں۔ کیونکہ یہ شہر قسطنطنیہ کی کنجی ہے۔ اور جبکہ ایک لمبی اور مستقل جدوجہد کے بعد ترکوں نے اسے دشمن کے سپرد کر دیا تو کسی شخص کو وہم و گمان بھی نہ تھا۔ کہ یہ شہر پھر بھی کبھی ترکوں کی سلطنت کا حصہ بنے گا۔ لیکن جنگ کے ترازو نے ایک اور حرکت کی اور متحدہ ریاستوں میں جھگڑا ہو گیا۔ اور اس سے ترکوں کو ایڈریانوپل اور بعض دوسرے ضروری مقامات کے دوبارہ فتح کرنیکا موقعہ مل گیا۔ جن مقامات سے انہیں بلغاریوں نے چند روز پہلے مار کر ہٹا دیا تھا۔ ترک انجام کار فاتح ہوئے۔ اور اس طرح وہ الہام جو احمد قادیانی کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوا تھا۔ پورا ہوا۔

در فتح محمد سیال۔ ایم۔ اے۔ قادیانی

قاعدہ یسرنا القرآن
نو ترمیم

یہ قاعدہ جسقدر مفید اور مقبول ثابت ہوا ہے محتاج بیان نہیں۔ عام طور پر کئی کئی سال تک بچوں کی عمریں ضائع ہو جاتی تھیں اور قرآن شریف ختم نہیں ہوتا تھا۔ اور جو کسی بچے نے قرآن شریف ختم بھی کیا تو ایسا کہ دوبارہ پڑھاؤ تو ایک سطر رواں اور صاف نہیں پڑھ سکتا۔ مگر اس قاعدہ کے پڑھانے سے ایک بچہ چھ ماہ میں قرآن شریف ختم کر لیتا ہے۔ اور اس میں اس قدر طاقت پیدا ہو جاتی ہے کہ عربی کی کوئی کتاب جسپر اعراب دیئے ہوں بلا تکلف پڑھ لیتا ہے۔ اس قاعدہ کے چار ایڈیشن ہاتھوں ہاتھ فروخت ہو گئے۔ مصنف صاحب قاعدہ مذکور نے نہایت محنت اور جانفشانی سے سابق قاعدہ میں ترمیم کر کے بہت سی مفید باتیں اور ایزاد کی ہیں اور جابجا اساتذہ کے لیئے کار آمد نوٹ دیئے ہیں۔ لکھائی اور چھپائی عمدہ ہے۔ کاغذ بھی اعلیٰ لگایا گیا ہے۔ جو احباب اپنے عزیز بچوں کو صحیح قرآن شریف پڑھانے کے خواہشمند ہوں۔ وہ یہ قاعدہ شروع کروائیں قیمت ۲ر صرف حصہ اوّل ۰ر

درخواستیں بنام منیجر میگزین۔ قادیان ضلع گورداسپورہ آنی چاہئیں

پارہ عم مترجم

چونکہ عموماً مسلمان قرآن شریف کی آخری سورتیں نماز میں پڑھتے ہیں۔ اور یہ صاف ظاہر ہے کہ صرف عربی عبارت ناظرہ یا حفظ پڑھ لینے اور مطلب نہ سمجھنے سے دل میں خشوع خضوع نہیں پیدا ہوتا اور اسی لیئے نمازی وعدہ الٰہی کہ ان الصلوٰۃ تنھیٰ عن الفحشاء والمنکر کے نیچے نہیں آتا۔ اسلیئے ہر ایک مسلمان پر لازمی ہے کہ کم سے کم آخری پارہ کو با ترجمہ پڑھ لے اور حفظ کرے اور اپنے بچوّں کو بھی پڑھائے اور حفظ کروائے۔ ہمارے پاس پارہ عم مترجم موٹے کاغذ پر عمدہ خوشخط صحیح چھپے ہوئے موجود ہیں۔

ہدیہ صرف ۳ر

پارہ الٓمٓ مترجم

ترجمہ حضرت خلیفۃ المسیحؑ خلیفۂ اوّل رضؓ۔ قیمت ۳ر

ملنے کا پتہ۔ دفتر میگزین قادیان

Reg. NO. L. 303

فصلی بخار و طحال کی دوا

ڈاکٹر ایس کے برمن کی یہ دوا تیس برس سے سارے ہندوستان میں گھر گھر مشہور ہے۔ بچے سے ضعیف تک اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ یہ ملیریا کے کیڑوں کو ہلاک کرتی ہے۔

اسکے چار پانچ ہی خوراک سے بخار کا آنا بند ہو جاتا ہے یہ طحال کو فوراً گرا دیتی ہے۔ اور خون کو گاڑھا بنا کر توانائی کو . . . کرتی ہے۔

قیمت شیشی کلاں ۱۴/ شیشی خورد ۸/

محصول ۶/

داد کا مرہم ۱۲/

اسکے لگانے سے کسی قسم کی تکلیف نہیں ہوتی ایک مرتبہ لگانے سے کھجلی اچھی ہو جاتی اور دو تین مراتب کے استعمال سے ایک دم آرام ہو جاتا ہے۔

اگر کسی دوا سے فائدہ نہیں ہوا ہو تو اسکی آزمایش کیجیئے دیکھیئے جناب مہاراجہ کمار صاحب۔ ریاست شنکر پور ضلع بھاگل پور سے لکھتے ہیں آپکے داد کے مرہم نے جادو کا اثر دکھایا۔ ہیں آپ کا تہ دل مشکور ہوں۔

قیمت فی ڈبیہ ۱۲/ محصول ایک سے چھ ڈبیہ تک ۵/

کف کھانسی کی دوا

برسات کے موسم میں ہر کسی کو تھوڑی بہت بارش کی رطوبت سے کھانسی ہو جایا کرتی ہے۔ اور دن رات کسی وقت چین لینے نہیں دیتی۔ کف نہیں نکلنے سے ایک قسم کی غرغراہٹ ہوا کرتی ہے اور کھانستے کھانستے جان ذیق میں آجاتی ہے۔ اسلیئے کھانسی شروع ہوتے ہی فوراً اسکی تدبیر کرنی چاہیئے۔

جو بہت آسان ہے اور وہ یہ کہ ڈاکٹر ایس کے برمن کے کف کھانسی کے دوا کی ایک شیشی لیکر گھر میں ڈال رکھیئے جو دو تین ہی خوراک میں آرام کر دیتی ہے۔ قیمت شیشی کلاں ۱۰/ شیشی خورد ۵/

جملہ ادویات ہر جگہ دوکانداروں اور دوا فروشوں سے مل سکتی ہیں ورنہ کارخانہ سے طلب فرمائیئے۔

ڈاکٹر۔ ایس۔ کے۔ برمن۔ نمبر ۵۵ تاراچند دت اسٹریٹ کلکتہ

Digitized by Khilafat Library

مطبع [illegible] قادیان میں [illegible] کرامت [illegible] صدر انجمن احمدیہ کیلئے چھاپا گیا